کلاہ بازیاں

ڈاکٹر یونس بٹ

۱۹۹۹ء

- حسن آرائیاں

یہاں حسن آرائیاں کا مطلب وہ نہیں جو کرنل محمد خان کی کتاب "بزم آرائیاں" سے لیا گیا تھا۔ جب کرنل صاحب کی کتاب آئی تو نام سن کر کئی آرائیوں نے انہیں خط لکھے کہ آپ ہمیں بھی فارم بھجوائیں' ہم بھی آرائیں برادری کی اس "بزم" کے رکن بنیں گے۔ یہاں حسن آرائیوں سے ہمارا اشارہ ان آریوں کی طرف ہے جو جاپانیوں نے حسن پر چلا دی ہیں۔ انہوں نے حسن کی یوں تعریف شروع کر دی ہے جیسے سکول میں ہم ایٹم بم یا مالیکیول کی کیا کرتے تھے۔ اگرچہ حسن کی جتنی بھی تعریف کی جائے' کم ہے لیکن ہمارے ہاں مروجہ تعریف یہ تھی کہ حسن دیکھنے والے کی آنکھ میں ہوتا ہے۔ حالانکہ آج کل دیکھنے والے کی آنکھ میں کنٹیکٹ لینس یا کیٹریکٹ ہی ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں فارمولا دوائیں اور فلمیں بنانے کے لئے ہی استعمال ہوتا ہے مگر جاپانیوں نے حسن کو بھی فارمولا بنا دیا۔ جس کے مطابق:

دہن سے رخسار کا فاصلہ X لا = حسن

یہ فاصلہ ایک انچ ادھر سے ادھر ہو گیا تو دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے گی۔ اسی لئے پاسکل کہتا ہے' اگر قلوپطرہ کی ناک ذرا چھوٹی ہوتی تو دنیا ذرا بڑی ہوتی۔ بہرحال جس جاپانی نے یہ فارمولا جٹ بنایا ہے' اسے خود خوبصورتی اتنی پسند ہے کہ اس کے کمرے میں شیشہ نہیں۔

زمانہ بدل گیا پہلے لوگ بزرگوں کو ان کے گھر تک چھوڑ کر آتے تھے۔ اب برے کو اس کے گھر تک پہنچا کر آتے ہیں۔ حسن کا معیار بھی بدلا' پہلے حسن دیکھنے والے

کی آنکھ میں ہوتا' اب جیب میں ہوتا ہے۔ اردو ادب میں حسن کی جو نشانیاں بتائی جاتی ہیں' انہیں درج کیا جائے تو لگتا ہے حسن کے خلاف رپٹ درج کی ہے۔ مثلاً ناگن کی طرح زلفیں' آنکھیں ہرنی جیسی' کمر چیتے کی طرح اور قد سرو' گویا کوئی انسانی صفت نہیں۔ ان تعریفوں سے تو یہی لگتا ہے' ہمارے شاعروں کو محبوبہ سے زیادہ جانوروں اور درختوں سے زیادہ لگاؤ ہے۔ ویسے کہتے ہیں اے حمید صاحب کو درختوں سے اتنا پیار ہے کہ جب جوان تھے تو ہر خوبصورت درخت انہیں لڑکی نظر آتا۔ اب وہ جوان نہیں رہے تو ہر خوبصورت لڑکی انہیں درخت نظر آتی ہے۔ اردو شاعری میں حسن سے اگر کوئی کام لیا گیا ہے تو وہ قتل کرنے کا۔ اردو کا عاشق چاہتا ہے' محبوب اسے قتل کر دے۔ ویسے مشہور شاعر دقیقی نے شاہنامہ لکھنا شروع کیا جسے بعد میں فردوسی نے مکمل کیا۔ اس دقیقی نے محبوب کو اتنا دق کیا تھا کہ محبوب نے سچ مچ اسے قتل کر دیا تھا۔ عشق کے دو اصول ہیں۔ پہلا یہ کہ عشق ہمیشہ حق پر ہوتا ہے اور دوسرا یہ کہ اگر عشق حق پر نہیں تو پہلا اصول دیکھیں۔ عشق اس سے نہیں ہوتا جو حسین ہوتا ہے بلکہ جس سے عشق ہوتا ہے وہ حسین ہوتا ہے۔ ایک مغربی دانشور کے بقول حسن کی تعریف کرنے کے لئے تین چیزیں چاہئیں۔ ایک وقت' دوسرا پیسہ اور تیسری کمزور نظر۔ ہمارے خیال میں تو حسینہ وہ ہوتی ہے جو منہ دھونے کے بعد بھی حسینہ ہی لگے۔ ملکہ حسن کے مقابلے کے ایک جج نے ایک دفعہ ٹی وی پر بتایا تھا کہ مجھے ہالینڈ کی ماڈل سب سے حسین لگی مگر ------ انٹرویو کرنے والے نے پوچھا "مگر کیا؟"

کہا "مگر پھر وہ بولنے لگی۔"

یہ ایسے ہی ہے جیسے ہمارے سیاستدان جب تک چپ ہوں' بڑے مدبر اور محب وطن لگتے ہیں۔ شروع ہی سے ہمارا یہ خیال رہا ہے کہ امور خانہ داری کے مقابلے میں یہ شرط ہونا چاہیے کہ وہ لڑکی فرسٹ آئے گی جو اپنے ہاتھ کا پکا کھانا خود کھائے گی۔ ایسے ہی مقابلہ حسن میں حسین خود چپ ہو' حسن بولے۔ جو لڑکی منہ سے جج صاحبان کے سوالوں کے جواب دے' اس کے نمبر کاٹ لینے چاہیں کہ کیسی لڑکی ہے جو بڑوں کو جواب

دیتی ہے۔
انگریزی کہاوت ہے شادی کے دن کوئی عورت دلہن سے حسین نہیں ہوتی۔ ہم نے اردو کے ایک استاد سے پوچھا "حسن کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

کہا "اسی کا خیال ہے۔"
ان کے بقول حسین وہ ہے جو پھول سونگھے تو پھول سے خوشبو آنے لگے۔ افریقی ممالک میں حسن کو وزن کے حساب سے دیکھتے ہیں۔ اس حساب سے ہماری پنجابی اور پشتو فلموں کی ہیروئین تو وہاں ملکہ حسن بلکہ ملک حسن ہوں گی۔ جاپان پہاڑوں اور "پٹھوں" ملک ہے۔ وہاں اسمارٹنیس کا اپنا تصور ہے۔ ان کے لئے اسمارٹنیس کا جو معیار ہے' ہمارے لئے وہ بیمار ہے۔ وہاں کا سمارٹ پہلوان ایسا ہوتا ہے کہ اس کا پیٹ دیکھ کر دور سے یہ لگتا ہے جیسے پہلوان پہاڑ اٹھائے آ رہا ہے۔ وہاں محبوبہ کو تحفہ دو تو اس پر لازم ہے کہ وہ جوابی تحفہ دے۔ جو پہلے تحفے سے ذرا قیمتی ہو۔ یوں دونوں میں اگر تحفوں کا پے در پے تبادلہ شروع ہو جائے تو جان لیجئے تھوڑے ہی دنوں میں دیوالیہ ہو جائیں گے یا سیانے ہوئے تو کوئی بات نکال کر ترک تعلقات کر لیں گے۔ لگتا ہے جاپان' حسن' محبت اور پیار کو بھی الیکٹرونکس میں شامل کرنا چاہتا ہے۔ ویسے تو امرکہ میں دندان ساز ڈاکٹر جوزف یورکووسکی کے خیال میں بھی مونا لیزا کی مسکراہٹ اس لئے اچھی تھی کہ اس کے سامنے کے دانت نہ تھے جن کو چھپانے کی کوشش میں وہ ایسے مسکرا رہی ہے۔ ڈاکٹر جوزف یورکووسکی کے کیا کہنے ان کے منہ میں تو ہمیشہ اپنے ہی نام کا آخری حصہ رہتاہے۔ ان کے بقول حسن لمبے قد میں ہوتا ہے۔ حالانکہ ہمارے خیال میں چھوٹے قد میں اس کے علاوہ اور کوئی خامی نہیں کہ ہمارا قد چھوٹا ہے یا یہ کہ چھوٹے قد والوں کا دماغ لمبے قد والوں کی نسبت ٹخنوں کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ جاپانیوں نے حسن کو الجبراء بنا کر بڑا جبر کیا ہے۔ فی زمانہ ہم سمجھتے ہیں الجبراء پڑھانے کا صرف یہی فائدہ ہے کہ پڑھانے والوں کو نوکری مل جاتی ہے۔ اس فارمولا حسن پر ہم جاپانیوں کو یہی کہہ سکتے ہیں جو ایک استاد نے رشید احمد صدیقی صاحب سے کہا تھا۔ علی گڑھ کی ایک

تقریب میں رشید احمد صدیقی خطاب کر رہے تھے۔ انہوں نے ایک استاد سے کہا ”آپ بھی بولیں!“ وہ استاد بولے ”صاحب میں جاہل آدمی ہوں کیا کہہ سکتا ہوں۔“ رشید صاحب نے کہا ”کبھی کبھی جاہل آدمی بھی بڑے پتے کی بات کہہ جاتا ہے۔“ تو استاد بولے ”واقعی آپ نے بڑے پتے کی بات کی ہے۔“

○○○

- وزیرِ جنگ

اطہر مسعود ان لوگوں میں سے ہیں جن سے پہلی ملاقات میں ہی آپ کو محبت ہو جاتی ہے جسے کم کرنے کے لئے ان سے کئی بار ملنا پڑتا ہے۔ ایسی شکل و صورت والے بندے کا سکینڈل نہ ہونا اس کے لئے بڑی رسوائی کی بات ہے۔ وہ صحافی ہیں اور صحافی سے تو بندہ شرط بھی یہ لگاتا ہے کہ اگر میں ہار گیا تو تمہیں سات دن تک کھانا کھلاؤں گا اور اگر تم ہار گئے تو تم سات دن تک اپنے گھر سے کھانا کھاؤ گے لیکن روزنامہ جنگ کے ایگزیکٹو ایڈیٹر اطہر مسعود صاحب جس گھرانے سے ہیں' وہاں کا ماحول اتنا ادبی و علمی تھا کہ بچے کا بڑے ہو کر صحافی بننے کا سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ بچپن میں ہر کسی میں بڑی بڑی خوبیاں ہوتی ہیں۔ جو اس وقت تک رہتی ہیں جب تک وہ بڑا نہ ہو جائے۔ ویسے آج کل اگر کوئی بچہ بات بات پر لڑے' دوسرے کو گالی اور الزام دے' مائیک دیکھتے ہی اسے چھیننے کو دوڑے تو محلہ والوں کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ بڑا ہو کر ضرور ایم پی اے یا ایم این اے بنے گا۔ اطہر صاحب بچپن میں اتنے تیز تھے کہ ایک دفعہ سیڑھی کے اوپر والے ڈنڈے پر کھڑے تھے کہ ان کے ہاتھ سے چونی گر پڑی۔ جب یہ نیچے اترے تو چونی ان کے سر پر آ گری۔ ان کے والد چاہتے تھے ملک کی تعمیر میں حصہ لیں' شاید اسی لئے وہ انہیں انجینئر بنانا چاہتے تھے کیونکہ آج کل انجینئر ہی کہہ سکتے ہیں کہ وہ تعمیر میں حصہ لے رہے ہیں۔ ٹیچر انہیں کلاس سے نکال دیتا کہ تم جاؤ' تمہیں تو پہلے ہی سب آتا ہے۔ انہوں نے روزنامہ جنگ میں دس سالوں میں پندرہ سال کام کیا۔

ان کے اتنا بڑا جرنلسٹ بننے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ ایم اے جرنلزم نہیں ہیں۔
کچھ لوگ کہتے ہیں جرنلزم میں ان کی عزت بڑے بھائی اظہر سہیل کی وجہ سے ہے۔
ان کا تو پتہ نہیں محلے میں ہماری عزت اپنے چھوٹے بھائی کی وجہ سے ہے۔ محلے والے

اس کی حرکتوں سے اتنا تنگ ہیں کہ اب ہمیں اچھا سمجھنے لگے ہیں۔ اخبار کے لئے اطہر صاحب نے جو سب سے پہلی تحریر لکھی' وہ استعفیٰ تھا جو انہوں نے "چٹان" کے لئے لکھا۔ ان دنوں کسی سے "چٹان" کا مطلب پوچھا تو جواب ملتا "شورش کاشمیری" ......

اطہر مسعود صاحب نے شورش مرحوم سے یہ سیکھا کہ کیا نہیں لکھنا چاہیے' کیا لکھنا چاہیے۔ یہ قمر اجنالوی صاحب سے سیکھا۔ اجنالوی صاحب اس معاملے میں اتنے سخت تھے کہ اگر کوئی غلطی کرتا تو اسے اپنا پورا ناول پڑھواتے۔ اطہر صاحب نے رپورٹنگ مصر اور اسرائیل کی جنگ کی خبریں سن کر شروع کی اور آج وہ جس مقام پر ہیں' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جنگوں کے کتنے دور رس نتائج نکلتے ہیں۔ وہ امن پسند نہیں "جنگ پسند" ہیں۔ انہیں جنگ اچھی نہیں لگتی' جنگ اچھا لگتا ہے۔ اس کی ترقی پر وہ جامے بلکہ پاجامے میں پھولے نہیں سماتے۔ ہم نے ایک دوست سے ان کے لباس کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا "پہن لیتے ہیں" ویسے موسم کے حساب سے لباس پہنتے ہیں یعنی گرمیوں میں گرم اور سردیوں میں سرد۔ گرمیوں میں تھری پیس سوٹ انہیں سوٹ کرتا ہے۔ مصطفیٰ کھر صاحب کو تو اس موسم میں ہم نے فور پیس میں دیکھا ہے۔ جی ہاں تھری پیس میں وہ ملبوس ہوتے ہیں اور ایک پیس ساتھ ہوتا۔ اطہر صاحب کا لباس صحافیانہ نہیں ہوتا۔ ہمارے ایک جاننے والے درزی نے بتایا کہ صحافی سوٹ وہ ہوتا ہے جس میں جیب نہیں ہوتی' وہ اس لئے کہ انہوں نے کونسا اپنی جیب میں کبھی ہاتھ ڈالنا ہوتا ہے۔

اطہر مسعود صاحب کا مشغلہ گلے کے لئے ٹائیاں جمع کرنا ہے۔ پرانی ٹائیوں کو یہ کہہ کر دوسرے کو دے دیتے ہیں کہ یہ مجھے تنگ ہو گئی ہے۔ انہیں آٹھ دس ہزار شعر یاد ہیں مگر شرافت دیکھئے کہ کسی اکیلے بندے کو دیکھ کر "شعر کوبی" کے لئے بڑھتے۔ ایسی میٹھی شخصیت کہ روز ملنے پر ذیابیطس ہونے کا ڈر رہتا ہے۔ طبیعت ایسی ہے جیسی ہماری ہے اور ہماری طبیعت ایسی ہے کہ نیلی چھتری والے سے اس لئے "نیلی" نہیں مانگتے کہ پھر اس کے پاس صرف "چھتری" ہی رہ جائے گی۔ شروع میں جس کے ساتھ

زیادتی کرتے، بعد میں اس سے معافی مانگ لیتے۔ سو جس کی بے عزتی کرتے، رج کے کرتے اس لئے کہ بعد میں معافی تو مانگ ہی لینا ہے۔ پھر وہ وقت آیا کہ سارا دن پچھلے دن کی معافیاں مانگتے رہتے۔ نئی بے عزتی کرنے کا وقت ہی نہ ملتا۔ تب سے غصے میں آ کر انہوں نے دوسروں کو برا بھلا کہنا چھوڑ دیا ہے۔ اب جسے بے عزت وقت کرنا ہو، اس کی زیادہ عزت کرنے لگتے ہیں۔ ریسلنگ دیکھنے کا شوق ہے، اس کے لئے اکثر ٹی وی پر کشتیاں دیکھتے ہیں۔ کبھی کبھی اسمبلی میں بھی چلے جاتے ہیں۔ یہ ان لوگوں سے زیادہ اچھے ہیں جو ان سے کم اچھے ہیں۔ لکھنے والے صحافی نہیں، پڑھنے والے صحافی ہیں۔ ڈائجسٹ تو منٹوں میں ڈائجسٹ کر جاتے ہیں۔

سرخی لگانے کے فن میں ماہر ہیں۔ اس کے انہیں کئی طریقے آتے ہیں۔ ہمیں تو بس ایک ہی طریقہ آتا ہے، وہ ہے سرخی ہونٹوں پر مل لی جائے۔ دفتر آ کر سٹاف سے یوں محبت سے ملتے ہیں کہ ان کو شک ہونے لگتا ہے کہ کہیں اطہر صاحب کو نوکری سے نکال تو نہیں دیا گیا۔ زمانہ بدلا، پہلے بلی راستہ کاٹ جاتی تو لوگ پلٹ آتے۔ اب ٹی اینڈ ٹی والے راستہ کاٹ جائیں تو لوگ واپس پلٹ آتے ہیں۔ بڑے لوگوں کو مرنے کے بعد عزت ملتی ہے اس لئے جسے مرنے سے پہلے عزت مل جائے اس کا بڑا ہونا مشکوک ہو جاتا ہے۔ ہمارے ادیب شاعر تو عزت حاصل کرنے کے لئے یہ تک کرنے کو تیار ہیں کہ کچھ دنوں کے لئے مر کے ہی دیکھ لیں۔ بہرحال حکومت نے اطہر مسعود صاحب کو زندگی میں ہی عزت دی اور تمغہ برائے حسن کارکردگی دیا۔ اللہ نے انہیں پہلے ہی تمغہ حسن برائے کارکردگی دے رکھا ہے۔ اطہر مسعود ان صحافیوں میں سے ہیں جن کے لئے عزت کا باعث یہ ہے کہ حکومت اور لوگوں نے انہیں پہچانا جبکہ ہمارے بیشتر صحافیوں کی عزت اسی وجہ سے ہے کہ لوگوں نے ابھی تک انہیں پہچانا نہیں۔

○○○

• پری شان ----- پریشان

ہماری ہمیشہ خواہش رہی ہے کہ ہم پاکستان کو دنیا کا سب سے بڑا ملک بنائیں لیکن اس سلسلے میں ہمارے بڑوں سے زیادہ بچوں نے بڑا کام کیا اور تازہ ترین تحقیق کے مطابق 2000ء میں پاکستان روس اور جاپان سے بڑا ملک بن جائے گا' جی ہاں آبادی کے لحاظ سے۔ اسی طرح اگر یہ بت شکن قوم خاندانی منصوبہ شکنی کرتی رہی تو ایک دن ضرور پاکستان دنیا کا سب سے بڑا ملک بن جائے گا۔ ہم نے منصوبہ بندی کے ایک افسر سے پوچھا "ایک گھنٹے میں کیا ہوتا؟"

کہا "ساٹھ منٹ"

پوچھا "ایک منٹ میں کیا ہوتا ہے؟"

بولا "ساٹھ سیکنڈ"

پوچھا "ایک سیکنڈ میں کیا ہوتا ہے؟"

کہا "تین بچے"

ہم بچوں کو اس لئے پسند کرتے ہیں کہ ہم خود بچے رہ چکے ہیں۔ بچے یہ بتاتے ہیں کہ زندگی کو اتنی سنجیدگی سے نہیں لینا چاہیے۔ ہر بڑا آدمی بچہ بننا چاہتا ہے جس کی وجہ سے شاید یہ ہو کہ بچوں کے بیوی بچے نہیں ہوتے اور نہ ہی انہیں صبح اٹھ کر شیو کرنا پڑتی ہے۔ اگرچہ ہندوستان میں تو اس عمر میں بھی شادی ہو جاتی ہے کہ وہاں کے ایک معروف صحافی نے لکھا میں نے ایک ایسی شادی میں شرکت کی جس میں دلہن دو گھنٹے روتی رہی۔ وجہ یہ تھی کہ وہ کہہ رہی تھی' دولہے کو مجھ سے بڑا لڈو کھانے کو ملا ہے۔ بچوں کے سب کے ساتھ اچھے تعلقات ہوتے ہیں' شاید اسی لئے کہ انہوں نے کونسی کسی کو ادھار رقم دی ہوتی ہے۔ بڑے اور بچے میں فرق کا پتہ اس کے کھلونے کی قیمت سے لگتا ہے۔ ہم بچوں کو اب تک بچے سمجھتے رہے مگر انہوں نے ملک کو روس اور جاپان سے بازی دلا دی۔

متحدہ روس کے زمانے میں تو وہاں کا سب سے مراعات یافتہ طبقہ بچے ہی تھے۔ ان کا اتنا احترام تھا کہ اگر کے جی بی کا کوئی افسر کسی بندے کے ساتھ عزت سے پیش آتا تو بندے کو یقین ہو جاتا مجھے بچہ سمجھ رہا ہے۔ ہمارے ہاں قومی ہیرو ہوتے ہیں' قومی ہیروئین نہیں ہوتی۔ روس میں جس کے بچے زیادہ ہوتے ہیں' حکومت اس ماں کو قومی ہیروئین کا اعلیٰ حکومتی اعزاز دیتی ہے۔ ہمارے ہاں تو اتنے بچوں والی فلمی ہیروئین ہی بن سکتی ہے۔ ان کی ایک قومی ہیروئین مدر مسز فیوڈوز ویلٹ ہیں جو 1972ء میں انتقال فرما گئیں۔ انہوں نے 69 بچوں کو جنم دیا۔ چند سال اور زندہ رہتیں تو بھی قوم کے لئے یہی کرتیں۔ روس اور جاپان میں یہ فرق ہے کہ جاپان میں کنڈر گارٹن سکولوں میں بچہ جن کھلونوں سے کھیلتا ہے' کہتا ہے "یہ میرے کھلونے ہیں۔" جبکہ روس کے بچے اس طرح محسوس کرتے' نہ کہتے بلکہ روسی بچہ کہتا "یہ ہمارے کھلونے ہیں۔" ہمارے بچے تو کہتے ہیں "کھلونے کہاں ہیں؟"

ہفت روزہ ٹائمز کے مطابق دنیا میں سب سے کم دورانیہ حیات جن کا ہے' ان میں نمبر ایک مچھر' نمبر 2 مکھی اور نمبر 3 جاپانی گورنمنٹ ہے۔ وہاں لوگوں کو ایک بیوی' دو بچے' تین کمروں کا فلیٹ' چار پہیوں والی گاڑی اور پانچ ہندسوں والا بینک بیلنس ہوتا ہے۔ جاپانی اتنے مصروف ہوتے ہیں کہ ان کے پاس بچے پیدا کرنے کا وقت نہیں ہوتا۔ وہاں ایک گاؤں کی آبادی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ تحقیق کے بعد پتہ چلا وہاں قریب سے ایک ٹرین رات کو دو بجے گزرتی ہے جس کے شور سے گاؤں والے اٹھ جاتے ہیں۔ حکومت نے ٹرین کا وقت تبدیل کیا تو آبادی کم ہونے لگی۔ سو جاپان سے تو ہم بہ آسانی بڑا ملک بن سکتے ہیں۔ ہم سے کوئی پوچھے لاہور کی سب سے مشہور اور کمیاب چیز کیا ہے؟ تو ہم کہیں گے "لاہوری" ------ ایسے ہی پاکستان کی وہ پیداوار جو سب سے زیادہ ایکسپورٹ ہوتی ہے' وہ پاکستانی ہی ہیں۔ ہر کوئی اس پیداوار کے خلاف "وار" میں لگا ہے۔ بیگم عابدہ حسین نے ایک بار کہا کہ دس سالوں میں میرے حلقے کے لوگ ذرا نہیں بدلے' پہلے بھی ان کے صحن بکریوں کے بچوں سے بھرے ہوتے تھے' اب بھی

ان کے صحن بچوں سے بھرے ہوتے ہیں۔ بس اتنی تبدیلی آئی ہے کہ اب یہ بچے بکریوں کے نہیں ہوتے۔ دنیا میں جو بچہ سب سے حسین ہوتا ہے' وہ ہر ماں کی گود میں ہوتا ہے۔ والدین کے لئے بچوں کی آئیڈیل عمر وہ ہوتی ہے' جب وہ اتنے چھوٹے نہ ہوں کہ رات کو چلائیں اور نہ اتنے بڑے ہوں کہ چلانے کے لئے کار مانگیں۔ سکول کے ایام یادگار ہوتے ہیں بشرطیکہ آپ کے بچے اتنے بڑے ہو جائیں کہ وہ وہاں جانے کے قابل ہو جائیں' بڑا آدمی وہ ہوتا ہے جس کے سینے میں بچے کا دل ہو۔ کسی سیانے کا قول ہے کہ آٹھ بچوں کے جوتے بازار میں لینے جانے سے کہیں بہتر ہے کہ محبوبہ بے وفا نکلے اور بات یہاں تک نہ ہی پہنچے۔ پچھلے دنوں اخبار میں یہ خبر چھپی تھی کہ ایک سولہ بچوں کی ماں نے اس وجہ سے خاوند سے طلاق لے لی کہ میری اس سے بنتی نہیں۔ کہتے ہیں زیادہ بچے پیدا کرنے سے پری شان' پریشان لگنے لگتے ہیں۔ ہمارے ایک معروف شاعر اسی پریشانی میں انتقال کر گئے' ان کے پاس جو تھا یتیم خانے کے نام کر گئے اور یہ تھا دس دیوان اور گیارہ بچے۔ ہم نے ایک بار ان سے گیارہ بچے ہونے کی وجہ پوچھی تو کہنے لگے "گیارہ بچے ہونے کی وجہ یہ تھی کہ ابھی ہماری شادی کو سات سال ہی ہوئے تھے کی زچگی سے زچ ہماری زوجہ مر گئی۔" ارسطو نے کہا ہے ناامید ہونے سے عمر گھٹتی ہے جبکہ آج کل کہا جا رہا ہے' امید سے ہونے سے عمر گھٹتی ہے۔ شادی کے بعد بندہ عقلمند ہو جاتا ہے مگر بعد میں کیا فائدہ؟ ہمیں ایک ایسے ہی محکمہ منصوبہ بندی کے افسر نے بتایا کہ دنیا کی آبادی ہر سال 10 ملین 50 لاکھ 30 ہزار ایک کی شرح سے بڑھ رہی ہے۔ ہم نے کہا' آپ تو بڑے ویل انفارمڈ لگتے جو آپ کو 30 ہزار ایک تک کی صحیح شرح کا علم ہے۔ کہا "پچھلے سال مجھے ایک غیر ملکی مندوب نے بتایا تھا کہ آبادی 10 ملین 50 لاکھ 30 ہزار سالانہ کی شرح سے بڑھ رہی ہے۔ میں نے ایک کا اضافہ اس لئے کیا کہ تب میری شادی نہیں ہوئی تھی۔"

ہمیں اپنے ملک کو دنیا کا سب سے بڑا ملک بنانے کے لئے دن رات ایک کر دینا چاہیے۔

ایسے ہی جذبے سے سرشار ہمارے ایک ساتھی آج کل پر امید ہیں۔ ہم نے وجہ پوچھی تو کہنے لگے۔ میری بیوی نے A tale of two cities پڑھی تو ہمارے ہاں جڑواں بچے پیدا ہوئے' پھر اس نے The Three Muskateers پڑھی تو اللہ نے ہمیں تین بچوں سے نوازا' پھر شرما کر کہنے لگا "آج کل آپ کی بھابھی Birth of a Nation پڑھ رہی ہیں۔

○○○

- دروغ بر گردنِ دروغہ

آسکر وائلڈ نے کہا تھا تاریخ کو Rewrite کرنا چاہیے۔ دروغ بر گردن دروغہ چیئرمین قومی کمیشن برائے تاریخ و ثقافت' تاریخ کو Reright کرنا چاہتے ہیں۔ تاریخ سے ہمیں خود اتنی دلچسپی ہے کہ ہم تو ہر کسی سے یہی پوچھتے رہتے ہیں۔ "آج کیا تاریخ ہے؟" ہمارے والد صاحب کو بھی ہماری تاریخ سے اتنی دلچسپی تھی کہ تاریخ کی کلاس میں سب سے پہلے پہنچتے تا کہ آخری بنچ پر جگہ مل سکے۔ ہمارے تاریخ کے ٹیچر سے جو والد صاحب کے بھی تاریخ کے ٹیچر رہ چکے ہیں' والد صاحب نے پوچھا "ہمارا بیٹا تاریخ میں کیسا ہے؟" تو ٹیچر نے کہا "آپ کو تو پتہ ہے تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔" ویسے کہتے ہیں تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے اور مورخ ایک دوسرے کو دہراتے ہیں۔ تاریخ مرتب کرنے والے کے مراتب سے ہم آگاہ ہیں۔ وہ تو ایک ایسا کام بھی کر سکتا ہے جو کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ وہ ماضی کو بدل سکتا ہے۔ کہتے ہیں شاعر بھی دراصل تاریخ لکھتے ہیں۔ ہم خود ایک ایسے شاعر کو جانتے ہیں' وہ جب غزل لکھتے ہیں تو اس کے ایک کونے میں تاریخ ضرور لکھتے ہیں۔ موصوف نے علم و فضل کا یہ عالم ہے کہ ایک خاتون انہیں ہر خط کے شروع میں 786 لکھتی۔ آخر ایک دن انہوں نے اسے لکھ ہی دیا کہ آپ ہر بار فون نمبر تو لکھ دیتی ہیں مگر یہ نمبر نہیں ملتا۔ یہ تو ہم بھی مانتے ہیں کہ نئی نسل کو تاریخ پڑھانا اچھے مستقبل کے لئے ضروری ہے۔ جی ہاں! تاریخ پڑھانے والے اساتذہ کے اچھے مستقبل کے لئے ورنہ تو وہ بیروزگار ہو جائیں گے۔ اب تو قومی کمیشن برائے تاریخ و ثقافت' تاریخ رقم کرنے والوں کو بھی رقم دے گا اور پھر "نذر ثانی" شدہ ایڈیشن بھی شائع کیا کرے گا۔

اپنے بزرگوں کی تاریخ پڑھ کر یہ پتہ لگا کہ وہ ہر وقت شادی اور جنگ کے لئے پا بہ رکاب رہتے تھے۔ سچی بات ہے ہم کئی سالوں سے ایک ہی تاریخ پڑھ پڑھ کر بور ہو

گئے تھے۔ سو خوشی ہوئی کہ چیئرمین قومی کمیشن برائے تاریخ و ثقافت فخر زمان صاحب نئی تاریخ لکھوانے لگے ہیں۔ ہم فخر زمان کو تب سے جانتے ہیں جب وہ ٹی وی اسکرین کی بجائے اپنے گھر میں مقیم ہوا کرتے تھے۔ ایسی شخصیت ہیں کہ ان کے چہرے پر بھی جمہوریت نظر آتی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ تاریخ بھی جمہوری انداز سے لکھوائیں گے' اندازے سے نہیں۔ جمہوری تاریخ کا ذکر خواجہ معین الدین نے اپنے ایک ڈرامے میں یوں کیا ہے۔ ایک استاد شاگردوں سے پوچھتا ہے "جو کہتے ہیں بابر ہمایوں کا بیٹا تھا' وہ ہاتھ کھڑا کریں۔" چار طالب علموں ہاتھ کھڑا کرتے ہیں۔ استاد پھر پوچھتا ہے "جو کہتے ہیں اکبر ہمایوں کا بیٹا تھا' وہ ہاتھ کھڑا کریں۔" تین طالب علم ہاتھ کھڑا کرتے ہیں تو استاد کہتا ہے' پس جمہوریت کی رو سے ثابت ہوا کہ بابر ہمایوں کا بیٹا تھا۔ اب تو جمہوریت کی تعریفیں یوں بھی ہونے لگی ہیں۔

off the peoples government far from the peoples and government Government
to buy the peoples is democracy.

تاریخ سے ہم نے یہی سبق سیکھا کہ تاریخ سے کسی نے سبق نہیں سیکھا۔ ہماری ہسٹری تو چند لوگوں کی لائف ہسٹری ہے۔ یہ آٹو موبائل اور آٹو بائیو گرافی کا دور ہے۔ ہمیں یاد ہے ایک سیاستدان نے جو ہسٹری شیٹر ہے' اپنی ذاتی ہسٹری چھپوانے کے لئے ایک ادیب کو بیس ہزار دیئے۔ ادیب نے یہ نہ پوچھا کہ اچھی ہسٹری لکھنا ہے یا سچی۔ یوں اس نے جو لکھا اسے پڑھ کر اس سیاستدان نے اسے اور بیس ہزار دیئے اور کہا کہ اس مسودے کو ضائع کر دو' یہ چھاپنے کے نہیں چھپانے کے قابل ہے۔ اناتولی فرانس بھی کہتا ہے تاریخ کی جس کتاب میں کوئی جھوٹ نہیں' وہ بڑی تھکا دینے والی اور بور ہوتی ہے۔ ہم نے تو ازبکستان میں تاریخ کی کتابوں کو فکشن کے سیکشن میں دیکھا۔ تاریخ لکھنا تخلیقی کام ہے جیسے کچھ لوگ کہتے ہیں ضیاء آمریت کا دور ختم کرکے جونیجو مرحوم پاکستان میں جمہوریت لائے۔ کچھ یہ سہرا محترمہ بے نظیر بھٹو کے سر باندھتے ہیں لیکن بقول شخصے پاکستان میں جمہوریت جونیجو لائے' نہ بے نظیر' جمہوریت تو C-130 لایا۔ ٹھیک

ہی تو ہے ہمارے ہاں حکمران انتقال اقتدار کو اپنا ذاتی انتقال ہی خیال کرتے ہیں۔ ہسٹری نہ ہوئی ہسٹریا ہو گیا۔ ہمیں اپنی تاریخ کے ہر موڑ پر پرامید قومی ہیرو ہی دکھائی دیتے ہیں۔ فخر زمان صاحب کی تاریخ سے ہمیں یہ امید ہے کہ اس میں کوئی ہیروئین بھی دکھائی دے گی۔

اسلام آباد دارالخلافہ ہے۔ اسی لئے یہاں بڑے بڑے خلیفہ پائے جاتے ہیں۔ یہی چند لوگ تاریخ بنانے میں حصہ لیتے ہیں۔ باقی عوام تو اپنے اپنے کاموں میں لگے رہتے ہیں۔ کہتے ہیں آج کی تاریخ اخبار رقم کر رہے ہیں۔ واقعی یہ تاریخ ان کی پیشانی پر درج ہوتی ہے جو روز بدلتی ہے جیسے نپولین بونا پاٹ کو فرانس سے باہر رہنے کے دوران جب یہ علم ہوا کہ فرانس میں داخلی بغاوت سر اٹھا چکی ہے اور اس کی جگہ کوئی دوسرا حکمران بن بیٹھا ہے تو نپولین نے اپنی فوج کو فرانس واپسی کا حکم دیا۔ جب نپولین کی واپسی کی خبر مشہور ہوئی تو فرانس کے اخبارات نے اس روز خبر کو اس سرخی کے ساتھ شائع کیا۔ "وحشی درندہ پھر فرانس کی طرف بڑھ رہا ہے۔" جب نپولین فرانس کی سرحدوں کے قریب پہنچا تو اخبار نے یہ سرخی لگائی "قاتل فرانس کی طرف آ رہا ہے۔" نپولین جب فرانس میں داخل ہو چکا تو اخباروں کی سرخی تھی "نپولین بونا پاٹ فرانس میں داخل ہو چکا ہے۔" اور جب نپولین پیرس سے چند میل کے فاصلے پر رہ گیا تو اخبارات نے اس خبر کو اس شہ سرخی کے ساتھ شائع کیا "عالی مرتبت' جہاں پناہ' شہنشاہ فرانس کل پیرس کا دورہ کر رہے ہیں۔"

کسی سیانے کی بات ہے' اب آپ کو کیا بتائیں جس سیانے کی بات یاد رہتی ہے' اس کا نام یاد نہیں رہتا۔ جس کا نام یاد رہتا ہے' اس کی بات یاد نہیں رہتی۔ بہرحال کسی سیانے کی بات ہے کہ کسی قوم کی تاریخ ان تین کتابوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ ایک اس قوم کے اعمال کی کتاب' دوسری اس قوم کے فکر و نظر پر مشتمل کتاب اور تیسری اس قوم کے آرٹ پر لکھی کتاب۔ ان تین کتابوں میں کسی ایک کی اس وقت تک

سمجھ نہیں آتی جب تک دوسری دو کو بھی نہ پڑھا جائے لیکن ان تینوں کتابوں میں سب سے معتبر تیسری ہی ہوتی ہے۔

○○○

• راگ رنگ

کالم نگار کے لئے کالم شروع کرنا اتنا ہی مشکل ہے جتنا قاری کے لئے اسے ختم کرنا۔ ایسے ہی روزانہ کالم لکھنا کبھی کبھی کالم لکھنے سے بہت آسان ہے۔ جیسے ایک مدیر سے کسی نے کہا "آپ اتنے لمبے لمبے اداریے کیوں لکھتے ہیں؟" کہا "مختصر لکھنے کے لئے میرے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا۔" ہم کئی دنوں سے حالات حاضرہ پر کالم لکھنا چاہ رہے تھے لیکن بقول یوسفی' شائستہ آدمی وہ ہے جو حالات حاضرہ پر دو منٹ فی البدیہہ گفتگو گالی دیئے بغیر کر سکے۔ سو ہم حالات حاضرہ پر اچھا کالم نہ لکھ سکے' ویسے بھی ہمارے سب سے اچھے کالم وہی ہوتے ہیں جو ہم لکھ نہیں پاتے۔ کچھ عرصہ قبل مشفق خواجہ سے کسی نے کہا' آپ آج کل ادیبوں کی پسند کے کالم لکھ رہے ہیں۔ انہوں نے کہا مگر آج کل تو میں کالم نہیں لکھ رہا' کہا "اسی لئے تو کہہ رہا ہوں۔" بہرحال اب ہم نے سوچا حالات حاضرہ پر نہ سہی' حالات غیر حاضرہ پر ہی لکھ دیا جائے اور حالات غیر حاضرہ ہم تک پہنچانے کا سب سے بڑا ذریعہ ٹی وی ہے۔ اگرچہ ہم سمجھتے ہیں' ٹی وی کی نسبت اخبار عوام کے لئے زیادہ مفید ہیں کیونکہ ٹی وی میں آپ تندور سے گرم روٹیاں تو لپیٹ کر نہیں لا سکتے۔ آپ کے ارد گرد جو ہو رہا ہے' اس سے بے خبر رکھنے کے لئے جو ٹی وی پروگرام ہوتا ہے' اسے خبر نامہ کہتے ہیں۔ ایک نقاد کے بقول خبرنامے میں یہی خرابی ہے کہ روزانہ رات 9 بجے شروع ہو جاتا ہے۔ پہلے لوگ ٹی وی پروگرام دیکھنے کے شوق میں اشتہار دیکھ لیتے تھے' اب اشتہار دیکھنے کے شوق میں لوگوں کو ٹی وی پروگرام دیکھنے پڑتے ہیں۔ ویسے بھی یہ ایڈورٹائزمنٹ کا دور ہے۔ اب تو وقت کے ساتھ بی سی لکھا ہو تو اس سے مراد قبل مسیح نہیں بلکہ کمرشل سے قبل لیا جاتا ہے۔ پھر آج کل ایڈورٹائزمنٹ کا فوری نتیجہ نکلتا ہے۔ ہمارے دوست نے کل چوکیدار کے

لئے اشتہار دیا اور آج اس کے ہاں چوری ہو گئی۔ ویسے جس طرح ہر چیز کے اشتہارات ٹی وی پر آنے لگے ہیں' لگتا ہے ایک دن ایک اداکارہ ٹی وی پر آ کر کہے گی "نقالوں سے ہوشیار رہیے' اصلی مسلم لیگ کے لئے پیکنگ پر پیر پگاڑہ کا لیبل دیکھنا نہ بھولئے۔" یا کوئی ماڈل کہے گی "الف نون کے بعد سب سے پاپولر ب نون" ہے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ہمیں کونسا پروگرام پروگرام پسند ہے تو صاحب پہلے ہم ٹی وی ٹینس میچ دیکھا کرتے تھے لیکن ہمارے ڈاکٹر نے جب سے کہا ہے کہ ہمیں اور زیادہ ورزش کی ضرورت ہے' تب ہم نے میوزک چینل چارٹ اور بینڈ اسٹینڈ دیکھنا شروع کر دیا ہے۔

صاحب! موسیقی کی غذا روح ہے جب ہمیں بے خوابی کی شکایت تھی تب ہم ٹی وی پروگرام "راگ رنگ" دیکھتے۔ یہ پروگرام جب ٹی وی چلاتا ہے تو دیکھنے والا بھی چلاتا ہے۔ یہ پروگرام تب چلایا جاتا ہے' جب بڑے سو جائیں اور بچے جاگ گئے ہیں۔ ہم نے ایک گلوکارہ سے کہا' یہ پروگرام اس وقت چلایا جاتا ہے جب وقت بارہ سے بھی زیادہ ہو چکا ہوتا ہے جس پر وہ کہنے لگا "ہمارے بارہ سے زیادہ وقت نہیں ہوتا' بارہ کے بعد ہم پھر ایک سے شروع ہو جاتے ہیں۔"

مشرقی اور مغربی موسیقی سے فرق ہے کہ مغربی موسیقی سننے کے لئے ریاض چاہیے ہوتا ہے۔ ہم نے ایک گلوکارہ سے کہا "آپ ریاض کے بغیر بڑی گلوکاری نہیں بن سکتیں۔" انہوں نے فوراً ریاض علی خان سے شادی کر لی۔ اب وہ روز بروز اتنی بڑی ہو رہی ہیں کہ ہر دوسرے دن ان کے ہمسائے اور کپڑے تنگ ہونے لگتے ہیں۔ ریاض کے بارے میں ستار نواز روی شنکر کہتے ہیں۔ "ایک دن ریاض نہ کرو گے تو سننے والے محسوس کریں گے۔" ویسے میوزک بڑے کمال کی چیز ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو ہمارے جدید و شدید گلوکار مائیک پکڑ کر جو کچھ کرتے ہیں' انہیں اس پر پاگل خانے کی ہوا کھانا پڑتی۔ لوگ ان کے گانے پسند بھی کرتے ہیں۔ ظاہر ہے بندہ اچھے گانے سن سن کر کبھی اکتا بھی جاتا ہے۔ آسکر وائلڈ نے اسی لئے کہا ہے کہ اگر کوئی اچھا گا رہا ہو تو لوگ سنتے نہیں اور اگر کوئی برا گا رہا ہو تو لوگ بولتے نہیں۔ یہ نوجوان گلوکار خود ہی گیت لکھتے ہیں

اور پھر خود یہ گیت ڈی کمپوز کرتے ہیں۔ یہ گاتے گاتے کھو جاتے ہیں' پھر کہیں سے ڈھونڈ کر انہیں لانا پڑتا ہے۔ ان کی آواز سے اس قدر تیزی سے ہال بھرتا ہے کہ لوگ کرسیوں سے اٹھ رہے ہوتے ہیں تاکہ آواز کو اور جگہ مل سکے۔ ایسے ہی ایک گروپ میں ایک جاننے والے گلوکار نے کہا' میں نے اپنی آواز کا کئی لاکھ کا بیمہ کروایا۔ اس کی آواز سن کر ہم نے پوچھا۔ "آپ نے اتنی رقم کہاں خرچ کی؟" استاد روشنی خان کہتے ہیں' میرے راگ میں اتنی طاقت ہے کہ میں اسے رات کو گا کر وقت تک معلوم کر سکتا ہوں۔ واقعی ایک رات انہوں نے راگ چھیڑا تو ہمسائے نے چلا کر کہا "رات کے تین بجے یہ کون گا رہا ہے؟" نوجوان گروپ کی صورت میں مل کر اس لئے گاتے ہیں تاکہ پتہ نہ چل سکے' سب سے بے سرا کون ہے۔ یہ بھاگتے ہوئے گاتے ہیں' واقعی ایسا گانا سنانے والے کو بھاگنا ہی چاہیے۔ ویسے بھاگتے دوڑتے گانا ایک جگہ کھڑے ہو کر گانے سے زیادہ محفوظ طریقہ ہے کہ اس میں پکڑے جانے کا خطرہ کم ہوتا ہے۔ پھر اس سے ورزش بھی ہو جاتی ہے۔ کسی نے پوچھا' سات دن ایسے گاؤ تو بندہ کتنا ویک ہو جاتا ہے؟ کہا "ایک ویک ہو جاتا ہے۔" بہرحال کس طریقے سے گانا کتنا پتلا کرتا ہے' ہمیں اس کا علم نہیں۔ ایسے ہی جیسے کسی نے پوچھا "حلوے کی پلیٹ میں سب سے زیادہ موٹاپا کون کرتا ہے؟" کہا "حلوے کی پلیٹ میں جو چمچہ ہوتا ہے۔"

سکاٹ لینڈ کی طرح اگر یہاں شور مچانا بھی قابل دست و زبان درازی پولیس ہوتا تو یہ گلوکار ساری عمر جیل میں گزارتے۔ ایسا ہی گانا سننے کے بعد ڈاکٹر سیموئیل جانسن نے کہا تھا "دنیا میں جتنے شور ہیں' ان میں سب سے مہنگا شور میوزک کہلاتا ہے۔"

○○○

• ECOLOGY AN APOLOGY

لیجئے صاحب! اچھا ہوا ہاؤسنگ اینڈ فزیکل پلاننگ کے وزیر ملک مشتاق اعوان صاحب نے بتا دیا کہ ماحولیاتی آلودگی کی وجہ سے سیاستدان غلط فیصلے کر رہے ہیں۔ ہم سمجھتے تھے سیاستدانوں کے غلط فیصلوں کی وجہ سے ماحولیاتی آلودگی ہو رہی ہے۔ فضا اتنی آلودہ ہو گئی ہے کہ لوگ صرف اس لئے منہ اور دل کھول کر نہیں ہنستے کہ کہیں گندی ہوا اندر نہ چلی جائے۔ اسی وجہ سے ہمیں اس جگہ پر بھی مسلز پین ہوتی ہے جہاں ہمیں یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ مسلز بھی ہوتے ہیں۔ فضائی آلودگی کی وجہ سے سیاستدان غلط فیصلے ہی کر رہے ہیں۔ فکر کی بات تب ہوتی اگر آلودگی کے مضر اثرات کے باعث سیاستدان صحیح فیصلے کرنے لگتے تب حکومت چلانا ہی مشکل نہ ہوتا' عوام کو بھی مشکلات کا سامنا ہوتا۔

جو کہتے ہیں کہ ہم سیاستدانوں کو نہیں سمجھ پائے' وہی انہیں سمجھ پائے ہیں۔ ایک تقریب میں ایک طالبہ کی اپنے ایک پسندیدہ سیاستدان سے ملاقات ہوئی تو اس نے ازراہ عقیدت بڑے جوش و خروش سے کہا "آپ سے ملنے کی بڑی خواہش تھی میں نے آپ کے بارے میں لوگوں سے اتنا کچھ سنا ہے ------" سیاستدان نے بات کاٹتے ہوئے کہا "لیکن وہ ثابت نہیں کر سکتے۔"

ہمارے ایک جاننے والا کا بیٹا دوسری بار میٹرک میں فیل ہوا تو وہ اس پر بہت خوش تھا۔ ہم نے وجہ پوچھی تو کہا "میرے بیٹے نے ثابت کیا کہ میرا فیصلہ ٹھیک تھا۔" ہم نے پوچھا "کیسا فیصلہ؟" کہا "میں نے فیصلہ کیا تھا' میرا یہ بیٹا سیاست میں حصہ لے گا۔"

اور تو اور شیخ رشید صاحب سے ایک صحافی نے پوچھا "آپ کے صنعت و ثقافت کے وفاقی وزیر بننے میں کس نے سب سے اہم رول ادا کیا؟" کہا "بی اے میں میرے انگریزی میں فیل ہونے' نے" میں اگر پاس ہو جاتا تو بھٹو صاحب نے مجھے نوکری دینے کا وعدہ

کیا ہوا تھا۔ سو میں آج وفاقی وزیر کی بجائے ایک کلرک ہوتا۔" صاحب اس سے اندازہ لگا لیں انگریزی کی جگہ اردو کا ذریعہ تعلیم ہونا ملک کے لئے کتنا مفید ہو گا۔ ہم تو انگریزی

کو انگریز کی مونث اور مونس سمجھتے ہیں۔ انگریزی تو انگریزی ہمارا تو پنجابی ہونے کی وجہ سے اردو کا تلفظ ایسا ہے کہ دوست ہمیں پنجاب کا وزیراعلیٰ کہنے لگے ہیں۔

ہم سے کوئی پوچھے سیاست دان حکومت میں ہوں تو کیا کرتے ہیں؟ تو ہم کہیں گے "غور" اور اگر وہ حکومت میں نہ ہوں تو کیا کرتے ہیں؟ تو ہم کہیں گے "شور" ------

ہماری ملکی سیاست اسی "غور و شور" سے چل رہی ہے۔ ہماری ایک شخصیت جو آج کل لوگوں کے دلوں میں نہیں کانوں میں رہتی ہے' ایک تقریب میں وقت پر نہ پہنچی تو اسٹیج سیکرٹری نے کہا "میں ایک بار پھر معذرت خواہ ہوں' مہمان خصوصی تشریف لے آئے ہیں۔" مسٹر اور منسٹر میں یہ فرق ہوتا ہے کہ جو ایک بار منسٹر بن جائے' پھر وہ کبھی مسٹر نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے جب جے سالک وزیر بنے تو ہم نے انہیں "گٹ ویل سون" کا کارڈ بھیجا تھا۔ وزراء وزارت میں مبتلا ہو کر کمال فیصلے کرتے ہیں۔ ایک بھارتی وزیر ٹرین کی سترہویں بوگی میں سوار تھے' ٹرین جب اسٹیشن پر رکی تو یہ بوگی اسٹیشن سے اتنی دور ہو گئی کہ قریب کوئی قلی آتا' نہ لوگ۔ اس پر وزیر موصوف نے آرڈر دیا کہ ٹرینوں کی آخری بوگی نہیں ہونی چاہیے۔ اگر بہت رش کی صورت میں ضروری ہو تو آخری بوگی کو ٹرین کے درمیان میں لگایا جائے۔

اب انسان کا یہ حال ہو گیا ہے کہ آپ دنیا کا حال دیکھنا چاہتے ہیں تو پاکستان آئیں۔ دنیا کا مستقبل دیکھنا چاہتے ہیں تو ایتھوپیا جائیں البتہ ماضی دیکھنا ہے تو یونان جائیں۔ امریکہ تو چاہتا ہے دوسری دنیا میں جائیں۔ یہ تیسری دنیا والے' ہماری حکومت تو اپنے معاملات میں مداخلت نہیں کرتی' کسی اور معاملے میں کیا کرے گی۔ ویسے بھی اچھا کام وہ ہوتا ہے جو بندہ حکومت کی مدد کے بغیر کرتا ہے۔ عوام کو ایک بار دھوکہ دیا جائے تو یہ سیاستدانوں کا قصور ہے۔ اگر عوام کو دوسری مرتبہ دھوکہ دیا جائے تو عوام کا قصور ہے۔ ویسے جیسے لوگ اسمبلیوں میں آ رہے ہیں اس سے لگتا ہے آلودگی عوام کے فیصلوں پر

بھی اثر انداز ہو رہی ہے اور بقول شاعر

وزیرانہ آئے صدر کر چلے

میاں خوش رہو ہم دغا کر چلے

شاید ماحولیاتی آلودگی کی وجہ ہی سے سیاستدان عوام سے کئے وعدے بھول جاتے ہیں۔ ایک سیاستدان نے کہا' میں اس قدر بھلکڑ ہوں کہ کبھی تو فقرے کے دوران میں ہی میں

ویسے اگر گاڑیوں کو چلانے اور سیاستدانوں کے چلانے کے اوقات مقرر کر دیئے جائیں تو فضائی آلودگی کم ہو سکتی ہے۔ اب تو کوئی سیاست دان گھر میں چلا چلا کر بیوی سے بات کر رہا ہو تو وہ کہتی ہے' آرام اور تمیز سے بات کریں یہ اسمبلی نہیں' گھر ہے۔ البتہ جب سے لاؤڈ اسپیکر پر پابندی لگی ہے' سپیکر لاؤڈ نہیں رہے۔ ہماری یہ تجویز ہے کہ گاڑیوں اور اسمبلیوں میں سائلنسر لگوائے جائیں۔ یوں بھی ارکان بحث میں دوسرے کی کب سنتے ہیں' ہمارے ہاں جو دوسروں کی بحث کان لگا لگا کر سنے' اسے ہمسایہ کہتے ہیں۔ سیاستدانوں کے لئے موجودہ ماحول میں غلط فیصلہ نہ کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ سرے سے کوئی فیصلہ ہی نہ کریں یا فیصلے سے پہلے سیاستدانوں کو "نیٹ" ہوا نوش کروائی جائے۔

○○○

- **خند مقرر**

مقرر وہ ہوتا ہے جسے زیادہ سے زیادہ الفاظ میں کم سے کم کہنے پر مقرر کیا گیا ہو۔ اگرچہ ہماری اب تک کی پسندیدہ تقریر فنکشنل مسلم لیگ کے ایک رہنما نے کی تھی

جو انہوں نے کھانے کی تقریب کے بعد کی۔ وہ کھڑے ہوئے اور ہوٹل والوں سے کہا "بل لاؤ" اس کے باوجود ہمیں وزیر تعلیم ریاض فتیانہ صاحب کی تقریر سن کر ہمیشہ خوشی ہوئی' بالخصوص اس وقت جب انہوں نے تقریر ختم کی۔ ایسی تقریر کرنے کے لئے ہی ریاض کی ضرورت نہیں' سننے کے لئے بھی بڑا ریاض چاہیے۔ ایک تقریب میں کچھ مزاحیہ فنکار لوگوں کو ہنسا رہے تھے۔ کچھ دیر بعد منتظم ریاض فتیانہ صاحب کے پاس آئے اور کہا "جناب آپ کی تقریر شروع کرائی جائے یا لوگوں کو کچھ دیر اور محظوظ ہو لینے دیں۔" پچھلے دنوں ایک ایسی ہی تقریب میں انہوں نے کہا "بچوں کو تعلیم نہ دلوانے والے والدین کو فائن ہو گا۔" اگرچہ ان کا چہرہ ایسا ہے کہ وہ فائن کا کہہ رہے ہوں' تب بھی دوسرا یہی سمجھتا ہے کہ وہ فائن کہہ کر حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔ وہ جب زیر تعلیم تھے تو تعلیم کو زیر کرنے میں لگے رہتے۔ دل لگا کر تعلیم حاصل کی۔ انہوں نے تعلیم مزید سستی کرنے کا وعدہ کیا ------ پہلے تو ایم بی بی ایس کی ڈگری تین ہزار میں بکتی تھی' اب مزید سستی ہو جائے گی۔ بنگلہ دیش نے پچھلے دنوں اعلان کیا تھا کہ جس کا بچہ سکول جائے گا' اسے دس سیر چاول ماہانہ ملیں گے۔ یوں وہاں لوگوں میں بچوں کو تعلیم دلوانے کا اتنا شوق ہوا کہ ایک مولوی صاحب نے کہا' ماشاء اللہ پانچ من چاول ماہانہ سکول سے آ جاتے ہیں۔ اس برس مزید دس سیر چاولوں کے اضافے کی توقع ہے۔

عوام دو طرح کے ہوتے ہیں' ایک غریب اور دوسرے وہ جو امیر نہیں ہوتے۔ غریب امیروں کی ملکیت ہوتے ہیں کیونکہ انہیں خدا نے نہیں' امیروں نے بنایا ہوتا ہے۔

سکول میں ایک بار ٹیچر نے ہم سے پوچھا۔ "رابن ہڈ صرف امیروں کو ہی کیوں لوٹتا تھا؟" تو ہم نے کہا "غریبوں کے پاس ہوتا ہی کیا ہے جسے وہ لوٹتا۔" غریبوں کے قدرتی وسائل اور مسائل بچے ہی ہوتے ہیں۔ بنگلہ دیش میں ڈبلیو ایچ او کے ایک عہدیدار نے ایک شخص سے پوچھا "آپ کی کوالیفکیشن کیا ہے؟" کہا "ایف ایس سی" بیٹے سے پوچھا' اس نے کہا "بی ایس سی" ماں سے پوچھا' اس نے کہا "ایم ایس سی" وہ خوش ہوا کہ یہاں خواندگی کی شرح اتنی ہے۔ بعد میں پتہ چلا کہ اس سے مراد تھا۔ فادر آف سیون چلڈرن' برادر آف سیون چلڈرن اور مدر آف سیون چلڈرن۔

سات بھائیوں والے ایک امریکی مزاح نگار کا واقعہ ہے' ایک صحافی نے کہا "وہ صاحب کہتے ہیں تو ان کا سگا بھائی ہے' تم کہتے ہو' تمہارا اس کا دور کا رشتہ ہے؟" کہا "ہاں دور کا رشتہ ہے کیونکہ یہ میرا ساتواں بھائی ہے۔"

قدرت اللہ شہاب مرحوم روم گئے تو ان کی کار ایک دوست ڈرائیو کر رہا تھا۔ ایک گھنٹے کے بعد دوست نے کہا "شہاب صاحب مبارک ہو' آپ بچ گئے۔" مزید ایک گھنٹے بعد اس نے پھر کہا "شہاب صاحب مبارک ہو' آپ پھر بچ گئے۔" شہاب صاحب نے وجہ پوچھی تو بولا "اس لئے کہہ رہا ہوں کیونکہ یہاں ہر گھنٹے کے بعد ایک حادثہ ہوتا ہے۔" ہمارے ہاں بھی ہر گھنٹے کے بعد جو حادثہ ہوتا ہے' وہ ایک ناخواندہ فرد کا اضافہ ہے۔

محتاط اندازے کے مطابق سو سال بعد اتنی آبادی ہو جائے گی کہ ایک چارپائی پر سو سو آدمی سوئیں گے۔ اگرچہ ہمیں یہ غیر محتاط تخمینہ ہی لگتا ہے جیسے ایک ڈرائیور نے ایکسیڈنٹ کیا۔ اسے عدالت نے کہا "تم غیر محتاط ہو تمہیں ضرور سزا ملنی چاہیے۔" اس نے کہا "میں بڑا محتاط بندہ ہوں مجھ پر رحم کریں میرے سات چھوٹے چھوٹے بچے ہیں ------" تو عدالت نے کہا "اس کے باوجود کہتے ہو کہ میں محتاط بندہ ہوں۔"

ہر روز دس ہزار پاکستانی بالغ ہو کر بے روزگار ہو رہے ہیں۔ جس تیزی سے لوگ بالغ ہو رہے ہیں۔ اس سے تو لگتا ہے کہ آئندہ چند سالوں میں سیاستدان' ادیب اور دانشور بھی بالغ ہو جائیں گے۔ ویسے ہم نے اپنی زندگی میں نابالغوں کا سب سے بڑا اجتماع

ان فلموں پر دیکھا جن پر لکھا تھا "صرف بالغوں کے لئے" کیونکہ اسمبلی اور مشاعروں میں ہم کبھی گئے نہیں۔

لیکن فائن کر کے ناخواندگی ختم کرنے کا جو طریقہ استعمال کیا گیا ہے' وہ ایسے ہی ہے

جیسے اخبار میں یہ اشتہار چھپا تھا' کیا آپ ان پڑھ ہیں؟ آپ کو لکھنا پڑھنا نہیں آتا؟ اگر ایسا ہے تو آپ ہمیں درج ذیل پتہ پر خط لکھیں' ہم آپ کی مدد کریں گے۔"

○○○

• اشتہا۔ رات

جب سے ہمیں پتہ چلا ہے کہ کسی کتاب کا اشتہار اس وقت تک ٹی وی پر نہ دکھایا جا سکے گا جب تک تین افسران وہ کتاب مکمل پڑھ کر اس کی منظوری نہ دے دیں۔

کئی دوستوں نے کہا' اس پر احتجاج ہونا چاہیے لیکن ہم نے کہا اگر یہ افسران خود اس پر احتجاج نہیں کرتے تو ہم کیوں کریں؟ ہمیں تو خوشی ہوئی کہ ٹی وی والوں نے کتابوں کی اہمیت کو جانا' یہ حساب کا نہیں' کتاب کا معاملہ ہے۔ کتابیں سوچ کر لکھی نہیں جا رہیں لیکن ان کی ایڈورٹائزنگ تو سوچ کر ہونی چاہیے۔ ایڈورٹائزنگ ہے کیا؟ یہ کہ آپ دوسرے کو وہ چیز خریدنے کے لئے تیار کریں جس کی اسے ضرورت نہیں۔ گویا یہ شعبہ بنا ہی کتابیں بیچنے کے لئے ہے۔ ویسے جس قیمت میں آج کل کتاب ملتی ہے' بھلے وقتوں میں اس قیمت پر مصنف مل جاتے تھے۔ جیسے باب ہوپ نے کہا تھا "ایک ماہ قبل ٹی وی پر میں نے شو کیا' اگلے ہی دن پانچ ملین ٹی وی بک گئے جن کے نہ بکے' انھوں نے پھینک دیئے۔" ایسے ہی جب سے گھروں میں ٹی وی آیا ہے' گھروں کی کتابیں بکنے لگی ہیں۔ جیسے بیورو کریسی سے بری چیز ایک ہی ہوتی ہے' وہ ہے بیورو کریسی۔ ایسے ہی ایک برے اشتہار سے بری چیز اگر کوئی ہے تو کوئی اشتہار ہی ہو گا۔
کہتے ہیں فلم اندھیرے کا میڈیم ہے۔ یہ اندھیرے میں ڈویلپ ہوتی ہے اور اسے دکھانے کے لئے بھی اندھیرا چاہیے ہوتا ہے۔ سو ہم اشتہاری فلم پر کیا روشنی ڈالیں کیونکہ "اشتہارات" میں تو پوری "رات" شامل ہوتی ہے۔ یہ اشتہاری دور ہے ٹی وی بھی آج کل اشتہارات کے وقفے میں صرف اپنے پروگراموں کے اشتہار ہی دکھاتا ہے۔ بقول ابن انشاء جلد ایسا وقت آئے گا کہ نیوز ریڈر سکرین پر آئے گا اور کہے گا:

"آج صدر جانسن نے اعلان کیا" ------ (کٹ اشتہار)

"آپ کا پسندیدہ گھی اب دو پونڈ کے مہر بند ڈبوں میں دستیاب۔" (کٹ)

"ہوائی جہاز نے شمالی ویت نام کے سرحدی گاؤں پر بمباری کی جس پر وائس آف امریکہ نے کہا ہے۔" (کٹ)
"امی بھی کھائیں' ابو بھی کھائیں' کھائیں دادا جان' دھان پان مصالحہ۔"

البتہ چیزوں کے اشتہار ٹی وی پر ممنوع ہیں جیسے ضرورت رشتہ کے اشتہار' ویسے بھی کسی کو شادی کرنے اور جنگ پر جانے کا مشورہ نہیں دینا چاہیے لیکن ہم نے پچھلے دنوں ٹی وی پر ضرورت رشتہ کا اشتہار دیکھا اور اس پر اعتراض کیا تو جواب ملا' یہ تو ایک لان کا اشتہار ہے۔

ایک زمانہ تھا' نئی نسل کو کسی رائٹر کی کتاب سے بیزار کرنا ہوتا تو اس کتاب کو نصاب میں شامل کر دیتے۔ اب جس کے ساتھ یہ سلوک کرنا ہو اس کی کتاب کی ٹی وی والے ڈرامائی تشکیل کرا دیتے ہیں۔ شاید اسی ڈر سے پاکستان میں ناول نہیں لکھا جا رہا حالانکہ ناول لکھنے کے لئے کیا چاہیے' دو تین بال پوائنٹس اور چند پوائنٹس۔ فی زمانہ کتاب پڑھنے سے آسان کام ایک ہی ہے کتاب لکھنا۔ لکھنے سے کاغذ کی قیمت کم ہو جاتی ہے۔ ہم نے تو صاف کاغذ لکھے ہوئے کاغذ سے ہمیشہ مہنگا بکتے دیکھا۔ ہمارے ہاں ادبی رسالے بھی نکالے جاتے ہیں جو ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں پڑھ کر بندہ یہی کہتا ہے کہ ایسے رسالوں کو نکال ہی دینا چاہیے۔ ہماری ادبی کتابوں میں تو بس یہی خوبی ہوتی ہے کہ انہیں پڑھو تو ختم ہو جاتی ہے۔ ہمارے ہاں ویسے بھی ادب کا ادب نہیں رہا۔ عزیز میاں قوال نے تو پچھلے دنوں کہا کہ بھارت میں جس پاسپورٹ پر آرٹسٹ لکھا ہو' اس پر سفر کرنے میں آدھا ٹکٹ لگتا ہے۔ اگرچہ یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ ہمارے ہاں بھی نابالغوں کے لئے آدھی ٹکٹ ہی ہوتی ہے۔ پھر بھی ہمارے ہاں آرٹسٹوں کو سپروائزر اور بیچارے رائٹروں کو سرپرائز ہی ملتے ہیں۔ ویسے بھی پرائز ملنا آسان تھوڑی ہے۔ صرف لفظ پرائز لکھنا چاہیں تو شروع پی آر سے کرنا پڑتا ہے۔ ہمارے تو کتابوں پر تبصرہ کرنے والے بھی صرف اس کتاب کو پڑھتے ہیں جس پر تبصرہ کرنے کو دل نہ چاہے۔ سو ٹی وی میں اشتہار چلانے کے لئے تین افسران کا کتاب کو مکمل پڑھنا

ہمیں ٹی وی ہیڈ کوارٹر کا فیصلہ نہیں لگتا کیونکہ اس کا ہیڈ تو پہلے ہی کوارٹر ہے۔ یہ "وزارت اطلاعات و حشر نشریات" کا فیصلہ ہے۔ ممکن ہے ان تین افسران کی ناکارکردگی سے مطمئن نہ ہونے پر محکمے نے انہیں یہ سزا سنائی ہو۔ اگرچہ ٹی وی والوں کے لئے یہی سزا کافی ہوتی ہے کہ انہیں ان کے ہی تیار کردہ پروگرام دکھائے جائیں۔ ویسے بھی اگر انہوں نے کتابیں ہی پڑھنا ہوتیں تو ٹی وی میں کیوں آتے؟ اب یہ ہوگا کہ اگر کتاب ان کی سمجھ میں آگئی تو اشتہار چل جائے گا' نہ سمجھ میں آئی تو کتاب چل جائے گی۔

ویسے ہمیں ڈر ہے کہ اگر ان افسران کو ہماری شاعری کی سمجھ آگئی تو اکثر شاعر حدود آرڈی نینس کے تحت دھر لئے جائیں گے۔ پھر ہماری شاعری تو ایسی ہے کہ ہمارے ایک معروف "سیلف میڈ" شاعر دوست نے کہا میرے والدین کی خواہش تھی کہ میں شاعر نہ بنوں۔ ہم نے اس کی شاعری کی تمام کتابیں تمام کیں تو ہمیں یقین ہو گیا کہ انہوں نے اپنے والدین کی خواہش پوری کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ جہاں تک مزاح لکھنے کا تعلق ہے' مزاح لکھنے کے تین اصول ہیں۔ جنہیں یہ اصول نہ آتے ہوں' اسے مزاح نگار کہتے ہیں۔ رہی بات افسانے کی تو ہم خاتون افسانہ نگاروں کو یہی کہہ سکتے ہیں کہ وہ ذرا اسی بات کو فسانہ بنا دیتی ہیں۔ پی جی وڈ ہاؤس نے ایک فٹ نوٹ میں لکھا ہے "ایک خاتون ناول نگار نے اس وضاحت پر تین گھنٹے لگا دیئے کہ اس نے یہ ناول کیوں لکھا؟ حالانکہ دو لفظوں میں معذرت کر سکتی تھی۔

جہاں تک "مبینہ" افسران کے لئے مکمل کتاب پڑھنے کی شرط ہے' اس سے ہمیں اسلامی نظریاتی کونسل کی یہ تجویز یاد آگئی جس میں کہا گیا تھا کہ صرف 35 سال سے زیادہ عمر کی عورتوں کو ہی ملازمت کرنے کی اجازت ہو گی۔ ہم نے اس تجویز کی داد دی تھی کہ عورتوں کی ملازمت پر پابندی لگانے کے لئے اس سے بہتر کوئی اور صورت ہو ہی نہیں سکتی کہ آپ جس خاتون سے کہیں گے' آپ کو یہ ملازمت اس لئے دی جا رہی ہے کہ آپ 35 سال سے بڑی عمر کی ہیں تو وہ خود ہی نوکری لینے سے انکار کر دے گی۔ ایسے ہی نہ یہ افسران پوری کتاب پڑھ سکیں گے اور نہ کتاب کا اشتہار

چلے گا۔ ہو سکتا ہے یہ سب اس لئے کیا گیا ہو کہ یہ کتابیں اردو ادب کی آبرو ہیں اور وزارت اطلاعات و حشر نشریات نہیں چاہتی کہ یہ سر بازار بکیں۔

○○○

• شعر کو بیان

آج کل ہماری شاعری کا محبوب موضوع سیاست ہے۔ سیاست کو محبوب شاید اس لئے بھی سمجھا جا رہا ہو کہ ہماری اردو شاعری میں محبوب ہمیشہ ظالم اور بے وفا ہوتا ہے۔ پہلے سیاستدانوں سے بات نہ بنتی تو شعروں کا سہارا لیتے۔ اب تو یہ حالات ہیں کہ ان کی پوری کی پوری تقریر شعروں پر مبنی ہونے لگی ہے۔ مولانا کوثر نیازی کی سینٹ کی تقریر شعر انگیزوں پر ہی مبنی تھی۔ سینٹ کے کچھ ارکان نے اس پر اعتراض کیا کہ مولانا کو یوں شعر نہیں سنانے چاہئیں۔ سینٹ میں مشاعرہ تو نہیں ہو رہا' سنجیدہ باتیں ہو رہی ہیں۔ صاحب اگرچہ ہمیں اس اعتراض پر بھی اعتراض ہے کہ مشاعرہ کوئی غیر سنجیدہ کام تو نہیں' ہمارے شاعر اتنے اپنی شاعری کے معاملے میں سنجیدہ نہیں ہوتے' جتنے مشاعروں میں شرکت کے لئے ہوتے ہیں۔ مشاعرہ وہ جگہ ہوتی ہے جہاں بہت سے شاعر مل کر ایک دوسرے کو نہیں سنتے۔ شعر سنانے والا سمجھتا ہے' دوسرے شاعر اس کے شعر بڑے غور سے سن رہے ہیں' حالانکہ وہ اپنے سنانے کی باری کا انتظار کر رہے ہوتے ہیں۔

اگرچہ ہم سمجھتے ہیں مشاعرے کی بجائے شاعری کتاب کی صورت میں دوسروں تک پہنچانا زیادہ محفوظ طریقہ کار ہے کہ اس میں شاعر کو چوٹ لگنے کا اندیشہ نہیں رہتا لیکن مشاعرے تو شعراء کے مشاہرے ہیں' پھر یہ بھی سروے رپورٹ ہے کہ جس دن ٹی وی پر مشاعرہ لگا ہو' اس دن بچے سکول میں گھر کا کام کرکے آتے ہیں۔ ایک استاد نے اس کی تصدیق بھی کی کہ ہاں جس روز ٹی وی کے پروگرام بور ہوں' اگلے دن تمام بچوں نے گھر کا کام کیا ہوتا ہے۔

مشاعرہ شاعروں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ ہمارے ایک دوست کے بقول "جہاں عورت کھڑی ہو جائے وہاں گھر کھڑا ہو جاتا ہے۔" ایسے ہی جہاں ایک شاعر کھڑا ہو جائے وہاں مشاعرہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ ہم کسی کی تعریف بھی کریں تو لوگ تحریف سمجھتے ہیں۔ سو ہم مولانا

کوثر نیازی صاحب کی تعریف تو نہیں کرتے مگر ہمیں ان کی شاعری بہت پسند ہے۔
کسی کی شاعری بہت پسند کرنے کی ایک ہی صورت ہے کہ اسے پڑھا نہ جائے۔ بہرحال

مولانا ہمیشہ معیاری شعر سناتے ہیں۔ کبھی کبھی اپنے شعر بھی سناتے ہیں۔ شاعری کے
بعد انہیں کھانے کا شوق ہے۔ وہ بھی اتنا کہ انہیں تو جو شعر بھائے' اس کی تعریف
بھی یوں کرتے ہیں' بڑا لذیذ شعر ہے۔
کسی نے پوچھا "وہ کونسی جگہ ہے جہاں باپ باپ' بھائی بھائی اور دوست دوست کو بھول
جاتا ہے؟" کہا "شادی کے کھانے پر۔" اگرچہ ہمارے ہاں لوگ سنجیدہ بات پر ہنسنے لگتے
ہیں اور ہنسنے والی بات پر سوچ میں پڑ جاتے ہیں۔ مزاح نگار تو تعزیت کرنے بھی چلا
جائے تو لوگ چاہیں گے کہ وہ تعزیتی لطیفے سنائے۔ ایسے ہی شاعر سینٹ میں بھی چلا جائے
تو شاعر ہی رہتا ہے اور مولانا تو غصہ بھی کر رہے ہوں تو لگتا ہے شاعری کر رہے
ہیں۔ شاعر تو ہوتے بھی نرم دل ہیں۔ اصغر گونڈوی صاحب کے دوست کی بیوی فوت ہو
گئی تو اس وقت تک روتے رہے جب تک دوست نے ڈھارس نہ بندھوائی کہ رو مت
میں جلد ہی دوسری شادی کرنے والا ہوں۔ کچھ سیاست دان دوسروں کے چند شعر یاد
کر لیتے ہیں مگر وہ بات کہاں جو شاعر کے شعر سنانے میں ہوتی ہے۔ جیسے مرحوم شاعر
اقبال ساجد نے اپنی بیوی سے کہا کہ میری جیب سے بچوں نے پیسے نکالے ہیں۔ بیوی
نے کہا' ہو سکتا ہے میں نے نکالے ہوں۔ کہا' یہ کیسے ممکن ہے کیونکہ میری جیب
میں کچھ پیسے بچے ہوئے ہیں۔ ایسے ہی جو چند شعر سنا کر چپ ہو جائے' یقین کر لیں
وہ شاعر نہیں ہے۔
ایک شاعر مولانا نظامی گنجوی کو روزانہ آٹھ دس غزلیں سناتا۔ مولانا اخلاقاً داد دیتے۔ ایک
بار شاعر حج پر روانہ ہوا تو مولانا کو عارضی گلو خلاصی پر مسرت ہوئی۔ حج سے واپسی
پر وہ ضخیم بیاض کے ساتھ آئے اور جوش سے بولے' حضرت میں نے اپنی بیاض کو سات
مرتبہ سنگ اسود سے مس کی۔ اب آپ کو میرے کلام کا حقیقی لطف حاصل ہو گا
تو مولانا نے حسرت سے کہا "برادر کاش تم اپنی بیاض سات مرتبہ سنگ اسود سے مس

کرنے کی بجائے ایک ہی بار آب زمزم سے دھو ڈالتے۔"

چند روز قبل نو مسلم لیگ (جونیجو گروپ) کی جنرل کونسل کے اجلاس میں بہت بدنظمی پھیلی۔

نظم و ضبط کا فقدان ہوا تو کارروائی روک کر شاعر سے کلام سنا گیا یعنی فوراً شعر کوبی کے لئے شاعر بلا لیا گیا۔ یہ وارننگ بھی تھی کہ پھر ایسا ہوا تو پھر ایسے ہی ہو گا اور ممکن ہے مولانا کوثر نیازی صاحب سینٹ میں بدنظمی اور شور و غل کے ڈر سے "شعر بکف" ہو گئے ہوں۔ ویسے تقریر شاعری میں ہو تو اس پر بحث بھی شاعری میں ہونا چاہیے۔ جیسے محمد حسین شوق اور استاد امام دین کے درمیان گجرات میں کیس چلا تو مجسٹریٹ راجہ حسن اختر نے کہا' چونکہ شاعروں کا مقدمہ ہے' اس لئے اس کی سماعت شاعری میں ہو گی۔ وکیل بھی شعروں میں دلیلیں دیں گے۔ حالانکہ بندے کے پاس دلیل ہو تو اسے شعر کہنے کی ضرورت ہی کیوں پڑے۔ بہرحال وکیل عبدالرحمٰن خادم کو رکھا گیا کہ بندہ بات تو بے وزن سن سکتا ہے۔ شعر بے وزن نہیں سن سکتا' مجبوراً فریقین کو آپس میں صلح کرنا پڑی۔ پچھلے دنوں ایک نقاد سے صحافی نے پوچھا فلرٹ کرنے والوں کو کیا سزا ملنی چاہیے تو نقاد نے کہا اگر جرم ثابت ہو جائے تو اسے یہ سزا دی جائے کہ پڑھنے کے لئے مولانا کے شعر دیئے جائیں۔ اگرچہ اس سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ یہ سزا مولانا کی ہے یا فلرٹ کرنے والے کی۔ بہرحال اگر ایسا معاملہ ہے تو پھر مولانا کو اپنے شعر سینٹ کی بجائے اسمبلیوں میں پڑھنے چاہئیں۔

○○○

- واہ آرڈی نینس فیکٹری

ہم سمجھتے ہیں قرضہ لینا ایک غیر ذمہ دارانہ فعل ہے۔ اس سے غیر ذمہ دارانہ فعل اگر کوئی ہے تو وہ ہے قرض واپس کرنا لیکن صدر پاکستان جناب فاروق لغاری صاحب نے قومیائے گئے بینکوں کے ترمیمی آرڈی نینس 74ء کے تحت قرض نہ لوٹانے والوں کو سینٹ کے انتخاب سے بھی باہر کر دیا ہے۔ یہی نہیں امیدوار کی اس امید پر بھی وار کیا ہے کہ وہ اپنا بینک بیلنس چھپا سکے گا۔ کئی آرڈی نینسوں کے اجراء کے باعث گوہر ایوب صاحب کے نزدیک ایوان صدر "فاروق آرڈی نینس فیکٹری" بن گیا ہے۔ ویسے ہمارا ملک صدر ضیاء کے دور میں ہی اس انڈسٹری میں اتنا آگے تھا کہ ہمارے آگے اگر کچھ ہوتا تو وہ آرڈی نینس ہی ہوتا تھا۔ حدود آرڈی نینس سے محدود آرڈی نینس تک ہر مال ملتا تھا۔ اس حساب سے تو ہم ایوان صدر کو "واہ آرڈی نینس فیکٹری" بلکہ واہ واہ آرڈی نینس فیکٹری کہہ سکتے ہیں۔

ہمارے ہاں اتنے آرڈی نینس کیوں جاری ہوتے ہیں' یہ پتہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے ہمارے ایک دوست نے کہا "یار مجھے سمجھ نہیں آتی گوجرانوالہ میں اتنے بٹ کیوں ہوتے ہیں؟ پھر ایک دن خود ہی کہنے لگا' مجھے پتہ چل گیا ہے اور اس نے ہمیں گوجرانوالہ کے قریب فیکٹری کا بورڈ دکھایا جس پر لکھا تھا "بٹ مینوفیکچرنگ انڈسٹری"

ہم طنز و مزاح نگار ہیں اور طنز و مزاح نگار کا یہ مسئلہ ہوتا ہے کہ لوگ اس کی سنجیدہ بات کو مزاح سمجھتے ہیں اور اس کی مزاحیہ باتوں کو سنجیدگی سے لیتے ہیں۔ طنز نگار فکر تونسوی کہتے ہیں' لوگ میری ہر بات کو دوسری پر طنز سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ تو میرے چہرے کو بھی اپنے چہروں پر طنز سمجھتے ہیں۔ بہرحال ہم سمجھتے ہیں مرد سے اس کا بینک بیلنس اور عورت سے عمر پوچھنا بد ذوقی ہے۔ ہو سکتا ہے نوابزادہ نصر اللہ صاحب اسے بے پردگی بھی قرار دیں کیونکہ ایک اطلاع کے مطابق ان کا بینک بیلنس

پانچ روپے ہے۔ بینک نے اسے کیسے بیلنس کیا ہوا ہے' اس کا تو ہمیں پتہ نہیں۔ اپنا بھی یہی حال ہے کہ ہم بینک والوں سے کہیں کہ وہ ہمارا بیلنس چیک کریں تو وہ ہمیں دھکا دے کر ہی بتا سکتے ہیں کہ ہم بیلنس ہیں یا نہیں۔ اگرچہ نوابزادہ صاحب جب اپچی سن میں پڑھتے تھے تو گھر جو خط لکھتے' وہ پڑھنے کے لئے ڈکشنری اور چیک بک کنسلٹ کرنا پڑتی۔ اب نوابزادہ صاحب کے بینک میں اتنا "زر" شاید اس لئے ہو کہ وہ شاعر بندے ہیں۔ ہمارے ایک تاجر گوجرانوالہ سے لاہور ویگن پر آتے جاتے ہیں اور راستے میں شاعری کی کتابیں پڑھتے یا ہم سفروں کو شعر سناتے رہتے ہیں۔ کہتے ہیں کیش لے جانے کا سب سے محفوظ طریقہ یہی ہے' جیب کترے شاعر سمجھ کر توجہ نہیں دیتے۔ ویسے آج کل شاعری میں بھی آمد کم اور آمدن زیادہ ہو رہی ہے۔ سنا ہے ایک دفعہ حفیظ جالندھری صاحب نے انجمن حمایت اسلام کے جلسے میں نظم سنائی تو جلسے میں پونے تین سو روپے چندہ اکٹھا ہوا۔ دو سو روپے چندہ ایسے شخص نے دیا جو بہرہ تھا۔ بہرے اور بے بہرے بھی نوابزادہ صاحب کی شاعری سن کر اتنا خوش ہوتے ہیں کہ ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ شاعری بھی فنون "لطیفہ" میں سے ہے۔ ان کی شاعری میں زلف و رخسار کا ذکر نہیں ہوتا۔ جب صدر ضیاء الحق کی مانگ کی بڑی مانگ تھی تب بھی نواب صاحب کی مانگ کچھ اور ہی تھی۔ ان کے آم لیڈر اس محبت سے چوستے ہیں کہ ہمیں آم کی جمع عوام لگتی ہے۔ اگرچہ نواب صاحب اپنے پلے کے حساب سے پانچ روپوی دیں لیکن کوئی ہزاروی اور لکھوی ان کے پلے کا نہیں۔

غریب ایک طرح کے ہوتے ہیں اور امیر ہر طرح کے۔ غریب کے بچے اور امیر کے رشتے دار بہت ہوتے ہیں' ہمارے غریب کیا کرتے ہیں۔ ان کے بچوں کی تعداد سے تو لگتا ہے' وہ یہی کرتے ہیں مگر بینک ڈکشنری میں غریب وہ ہوتا ہے جسے بینک ادھار نہ دے اور جو بینکوں کا کروڑوں کا مقروض ہو' وہ امیر کہلاتا ہے۔ آج کل مہنگائی کی وجہ سے کار ہونا اور بیکار ہونا کوئی سفید پوش افورڈ نہیں کر سکتا اور سفید پوش ہونا

کوئی سیاستدان افورڈ نہیں کر سکتا کیونکہ دولت وہ زبان ہے جس میں سیاستدان سب سے اچھی تقریر کر سکتا ہے۔ اگرچہ بینک آپ کو تب رقم دیتے ہیں جب آپ ثابت کر

دیں کہ آپ کو اس کی ضرورت نہیں اور جو بینک سے تھوڑی رقم لیتے ہیں' وہ بینک کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں اور جو زیادہ رقم لیتے ہیں' بینک ان کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں۔ لیڈر بینک سے قرضہ لیتے ہیں تا کہ ووٹ بینک بنا سکیں اور ووٹ بینک اس لئے بناتے ہیں تا کہ اور قرضہ لے سکیں کیونکہ قرضہ ان پر فرض ہے۔

انقلاب فرانس کے بعد ایک لیڈر نے کہا' میرے پاس آج جو کچھ ہے' وہ سب آپ غریبوں کی وجہ سے ہے۔ مجمع میں سے ایک شخص نے اٹھ کر کہا "آپ ٹھیک کہتے ہیں' میں نے اپنی کچھ چیزیں پہچان بھی لی ہیں۔" پیسے کا مسئلہ ہو تو پائے کے لیڈر بھی پائی کے لیڈر نکلتے ہیں۔ پنڈت نہرو جب پرائم منسٹر تھا تو وہ ارکان اسمبلی سے اتنا تنگ آیا کہ اس نے ان کی تنخواہ میں اضافے کا فیصلہ کر لیا۔ پہلے تنخواہ چار سو روپے تھے' اس نے بڑھا کر چار سو بیس کر دی۔

ہمارے ہاں امیر بننے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے' چار بندے اکٹھے کر کے مذہبی جماعت بنائیں اور اس کے امیر بن جائیں۔ لکھ پتی بننے کی تو ہمارے پاس بھی کئی تراکیب ہیں' بس اس کے لئے ضروری ہے کہ بندہ پہلے کروڑ پتی ہو۔ پچھلے دنوں ایک امریکی سیاستدان نے کتاب لکھی "غریبی ختم کرنے کے جدید طریقے" آپ پوچھیں گے' اس کتاب سے کسی کی غریبی ختم ہوئی؟ جی ہاں یہ کتاب اتنی بکی کہ آج اس کا مصنف لکھ پتی ہے۔

ہم اپنے لیڈروں سے یہ تو نہیں کہتے کہ "قومی بینک میں جمع کرانے کی بجائے بیوگان و مساکین کے پیٹ میں جمع کر کہ یہاں سے کوئی چوری کر سکتا ہے نہ ضائع" کیونکہ وہ پہلے کون سے بینکوں میں جمع کراتے ہیں البتہ قومی غیرت کا سودا نہیں کرتے اس لئے کبھی ادھار لینا ہو تو کسی غیر بینک کی طرف نہیں جائیں گے' قومی بینک سے ہی

لیں گے۔ ہمیں لگتا ہے یہ آرڈی نینس بینکوں کی حالت بہتر بنانے کے لئے ہے کیونکہ قومیائے بینک ایسے کومے میں ہیں کہ انہیں کومیائے بینک کہہ سکتے ہیں۔ تازہ سروے رپورٹ کے مطابق 47ء سے آج تک بینکوں سے ڈاکوؤں نے جتنی رقم لوٹی ہے' یہ اس کا دس فیصد بھی نہیں جو سیاستدانوں نے لی اور لوٹائی نہیں۔

○○○

- اگری کلچر اور اینگری کلچر

ہمارے ہاں وہ کلچر جس پر سب اگری کرتے ہیں' وہ اگریکلچر ہی ہے۔ اس کے علاوہ سب اینگری کلچر ہیں۔ جیسے ہمارے ہاں کالج اس لئے بنائے گئے کہ طلبہ کو جہالت کی تلاش میں مارا مارا نہ پھرنا پڑے۔ ایسے ہی اینگری کلچر کی نمائش کے لئے فلمیں بنائی جاتی ہیں۔ ہمارے ہاں فلموں میں ہیرو سے لے کر اس کا گھوڑا تک غصے میں ہوتا ہے' ہر کردار کو غصہ ہی آتا ہے۔ یہاں کہ فلم دیکھنے کے بعد بندے کو بھی یہی آتا ہے۔ جدید الیکٹرونکس کی وجہ سے فلم بنانا' اس کے گانے لکھنا' اس میں ڈانس اور میوزک دینا سب آسان ہو گیا ہے۔ فلم لکھنا تو اتنا آسان ہو گیا ہے کہ ایک فلم رائٹر نے کہا "میں خرابی کی وجہ سے فلم دو دن میں نہیں لکھ سکتا۔ پوچھا " کیا طبیعت میں کوئی خرابی ہے؟" کہا "نہیں وی سی آر میں ہے۔" سو فلم کے تمام مراحل آسان ہو گئے ہیں لیکن ایک مرحلہ روز بروز مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ وہ ہے فلم دیکھنا۔ ساتویں فلم ایوارڈ کی جیوری چیئرمین ریٹائرڈ جسٹس جاوید اقبال صاحب نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ جیوری کے لئے ایوارڈ کا فیصلہ کرنا بہت مشکل تھا' اس لئے نہیں کہ فلمیں بہت اچھی تھیں بلکہ اس لئے کہ فلمیں بہت بری تھیں۔ ان میں سے کسی ایک کا ایوارڈ کے لئے چننا بہت مشکل کام تھا۔ یہ ویسی ہی صورت حال ہے جس کا ہر الیکشن پر ہمارے ووٹرز کو سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ہماری فلموں میں وہی کچھ ہوتا ہے جو ایسی فلموں میں ہونا چاہیے۔ آپ پوچھیں گے ایسی فلموں میں کیا ہونا چاہیے؟ تو صاحب! وہی جو ہماری فلموں میں ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہماری فلم انڈسٹری کسی سے پیچھے ہے' ہم نے تو اسے ہالی وڈ اور بالی وڈ کے آگے لگا رکھا ہے۔ وہاں اگر فلمیں تھری ڈی ہوتی ہیں تو ہمارے ہاں ہیروئین تھری ڈی ہوتی ہے۔ بس اتنا فرق ہے کہ وہ فلمیں کیمرے سے شوٹ کرتے ہیں' ہمارے

ہاں کلاشنکوف سے شوٹ ہوتی ہے۔ ہمارا "صدا" بہار ہیرو سلطان راہی تو کلاشنکوف کے بغیر ننگا ننگا لگتا ہے۔ وہ دنیا میں سب سے زیادہ فلموں میں قتل کرنے والا ہیرو ہے۔

یہی نہیں وہ اس لحاظ سے بھی دنیا کا منفرد آرٹسٹ ہے کہ اسے ایکشن کے ڈپلی کیٹ کی ضرورت نہیں پڑتی۔ البتہ لو (Love) سین کے لئے ڈپلی کیٹ کی ضرورت پڑتی ہے۔

اداکاری اس کے خون میں شامل ہے اور خون اس کی اداکاری میں شامل ہے۔ اس کا فلموں میں رول اگر بدلا ہے تو بس اتنا سا جتنا ورلڈ وار سیکنڈ میں فلم بنانے والے ایک ڈائریکٹر نے فلم رائٹر سے کہا' یہ تو وہی کہانی ہے جس پر پہلے سینکڑوں فلمیں بن چکی ہیں۔ مجھے کچھ مختلف کہانی چاہیے تو رائٹر نے کہا "یہ سب سے مختلف کہانی ہے کیونکہ اس میں جرمن جنگ جیتتے ہیں۔" برنارڈشا نے ایک بار بدصورت عورت کو شیشے میں اپنا چہرہ دیکھ کر خوش ہوتے دیکھا تو کہا "میڈم آپ دنیا کی خوش قسمت ترین عورت ہیں کہ آپ کو اپنے آپ سے عشق ہے اور کرہ ارض پر آپ کا کوئی رقیب نہیں۔" یہی حال ہماری فلم انڈسٹری کا ہے جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ہمارے ملک کے جتنے بھی کامیاب اور پکے اداکار ہیں' وہ سب سیاست میں ہیں۔ یہی ہماری قوم کے وہ ہیرو ہیں جن کی ہیروئین فلموں میں ہیں۔ یہ ہیروئنیں اتنی مشہور کہ کسی سائنس کے طالب علم سے کہو وہ متحرک ستاروں کے نام بتائے تو وہ کہے گا "مریخ' مشتری' زحل' نیلی' پلوٹو' نیپچون۔"

ہمارے ہاں فائن آرٹ سے مراد وہ آرٹ ہے جس پر فائن بھی ہوتا ہے۔ آرٹ فلم وہ ہوتی ہے جو ڈائریکٹر فلم میکنگ کی "جاچ" سیکھنے کے لئے بناتا ہے۔ آرٹ فلموں کے پہلے شو پر ہی کوئی فلم بین نہیں آتا' دوسرے شو پر تو اور رش کم ہو جاتا ہے۔ یہاں تو آرٹ ڈراموں کا یہ حال ہے کہ تھیٹر میں آرٹ ڈرامہ چل رہا تھا۔ ایک سین میں ہیرو ہیروئین کا ہاتھ پکڑ کر ڈائیلاگ بولتا ہے "کیا ہم اکیلے ہیں؟" تو ہال سے آواز آئی "آج تو نہیں لگتا لیکن کل آپ اکیلے ہی ہوں گے۔" ہماری فلمیں معاشرے کی

عکاسی نہیں کرتیں' ہمارا معاشرہ فلموں کی عکاسی کرتا ہے۔ فلموں میں حقیقت نگاری تو ہالی وڈ کی فلموں میں بھی نہیں۔ ایک نقاد کہہ رہا تھا' اس فلم ڈائریکٹر نے ذرا بھی حقیقت نگاری سے کام نہیں لیا۔ پوچھا "کیسے؟" کہا "نوجوان شادی شدہ جوڑے کے پہلے سین کے بعد چھ ماہ کے بعد جو دوسرا سین ہے' اس میں گھر کا فرنیچر پہلے والی جگہ پر ہی پڑا ہوا ہے۔ "الزبتھ ٹیلر نے کہا تھا "فلم نگری میں حقیقت کہاں مل سکتی ہے۔ یہاں تو حقیقی خدا کی تلاش میں بھی نکلو تو مجازی خدا ہی ملتا ہے۔" البتہ وہاں فلموں کا معیار بہتر بنانے کے لئے کہا گیا تھا کہ فلمیں کم شوٹ کی جائیں اور فلمساز زیادہ۔ انگریزی فلمیں تقریباً دو گھنٹے کی ہوتی ہیں۔ کسی نے پوچھا "انگریزی فلمیں ہماری فلموں سے کتنی بہتر ہیں؟" جواب ملا "تقریباً ایک گھنٹہ۔" البتہ یہ ہے کہ ہماری فلمیں ختم ہونے پر انگریزی فلمیں ختم ہونے کی نسبت زیادہ خوشی ہوتی ہے۔ ایک فرانسیسی ڈرامہ نگار نے کہا تھا کہ میرا یہ ڈرامہ بڑے کمال کا ہے کہ اس کے پہلے آدھے گھنٹے میں کچھ نہیں ہوتا۔ سو جو لوگ لیٹ پہنچتے ہیں انہیں کہانی سمجھنے میں دشواری نہیں ہوتی۔ یہ کمال ہماری ہر فلم میں ہوتا ہے البتہ جو شروع سے فلم دیکھتے ہیں' انہیں کہانی ڈھونڈنے میں دشواری ہوتی ہے۔ ہمارے ایک سب سے مصروف ہیرو کے بارے میں پتہ چلا کہ اس کی والدہ دعائیں مانگتی تھی کہ بیٹا فلمی اداکار نہ بنے۔ اس کی فلمیں دیکھنے کے بعد لگتا ہے' اس کی ماں کی دعا قبول ہو گئی ہے۔ ہمارے ہاں ایسے ڈائریکٹر بھی ہیں جو معیاری فلم بنانے کا راز جانتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ اسے راز کیسے رکھنا چاہیے۔ جیسے ہمارے کئی ادیب ایسے ہیں جو کسی پر ظاہر ہی نہیں ہونے دیتے کہ وہ ادیب ہیں' ان کی کئی کتابیں پڑھ کر بھی پتہ نہیں چلتا۔ ڈائریکٹر کہتے ہیں ہم معاشرہ ٹھیک کرنے کے لئے اصلاحی فلمیں بناتے ہیں۔ ہم سمجھتے تھے' وہ یہ فلمیں سنسر بورڈ کے ارکان کو ٹھیک کرنے کے لئے بناتے ہیں۔ بہرحال چونکہ فلم دیکھنا مشکل سے مشکل تر ہوتا جا رہا ہے تو قومی فلم ایوارڈ کی جیوری کو چاہیے کہ اگلے سال سے فلم بنانے والوں کے ساتھ

ساتھ فلم دیکھنے والوں کو بھی ایوارڈ سے نوازا جائے۔

○○○

• جانوروں کا ادب

ہمارے ہاں تو بچوں کا ادب نہیں' جانوروں کا ادب کیا ہونا ہے لیکن ایک نقاد کے بقول "کون کہتا ہے اردو میں بچوں کا ادب نہیں لکھا گیا' جتنا بچگانہ ادب ہمارے ہاں لکھا گیا ہے شاید کسی زبان میں لکھا گیا ہو۔" ویسے عورتوں کے ادب سے مراد اگر یہ ہے کہ عورتوں کا لکھا ہوا ادب تو اس حساب سے بچوں کے ادب سے مراد بچوں کا لکھا ہوا ادب ہوا۔ اس لحاظ سے تو ہمارا بیشتر ادب بچوں کا ادب ہی قرار پائے گا۔ ازبکستان کے دانشور ڈاکٹر تاش مرزا صاحب کی اردو دان کی بیٹی نگار مرزائف نے ہمیں بتایا تھا کہ روسی زبان میں باشنی ایک صنف سخن ہے جسے جانوروں کا ادب کہہ سکتے ہیں۔ اس میں جانور بولتے ہیں' واقعی جہاں انسانوں کو بولنے کی آزادی نہ ہو وہاں جانور ہی بولتے ہیں۔ فرانسیسی اداکارہ برشی بارودت جو جانوروں سے اتنی محبت کرتی ہے کہ اس کے خاوند نے صرف اس لئے طلاق لے لی تھی کہ یہ مجھ سے ان جتنی محبت کیوں نہیں کرتی؟ اس پر "برشی" نے کہا ہے جو جانوروں کا ادب نہیں کرتا' وہ جانور ہے۔

صاحب! جانور اور بچے والدین کی تربیت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ انہیں غصے پر قابو پانا سکھاتے ہیں۔ بچے ہمارے ہاں زیادہ اہم ہیں کیونکہ ان کے ہوتے ہوئے ماں باپ خود کو بوڑھا اور دادا دادی خود کو "ینگ" سمجھنے لگتے ہیں۔ پالتو جانوروں میں جو سب سے اہم ہیں' وہ گائے' کتا' بلی اور مچھر ہیں۔ آخر الذکر کو پالنے کے لئے تو ہمارے ہاں الگ سے محکمہ ہے جسے بلدیہ کہتے ہیں۔ ابن انشاء نے لکھا ہے' وہ پالتو جانور جو سب سے زیادہ اپنی مادہ کی خدمت اور دیکھ بھال کرتا ہے' اسے خاوند کہتے ہیں۔ ہمارے خیال میں تو جانور دو طرح کے ہوتے ہیں' پالتو جانور اور فالتو جانور۔ انسان کتے کا بہترین ساتھی ہے۔ انسان کتے کو دوست اس لئے رکھتا ہے کہ یہ زبان نہیں ہلاتا' دم ہلاتا ہے۔ الیگزینڈر پوپ نے ایک خط میں لکھا تھا کہ تاریخ جتنی کتوں کی وفا کی مثالوں سے

بھری ہے' اتنی انسانوں کی نہیں۔ ویسے اب کتے بھی بے وفا نکلنے لگے ہیں جس سے اندازہ لگا لیں کہ جانوروں پر انسان کی صحبت کا کتنا اثر ہوتا ہے۔ ایک سیانے کے بقول جانوروں میں یہ خوبی ہی کیا کم ہے کہ وہ سگریٹ نہیں پیتے اور فٹ بال میچوں کے دوران ایک دوسرے کو پیٹتے بھی نہیں۔ ڈارون کا نظریہ ارتقا تو یہ ہے کہ انسان جانور سے بنا ہے۔ اب تو مفکر یہ کہہ رہے ہیں' انسان جانور بنتا جا رہا ہے۔ بہرحال ڈارون کا نظریہ ارتقاء غلط ثابت کرنے کے لئے اتنا ہی ثبوت کافی ہے کہ ہمارے پہلے رہنما محمد علی جناح اور فاطمہ جناح تھے اور اب بے نظیر اور نواز شریف ہیں۔ ہماری جانوروں کے بارے میں معلومات تو ایسی ہی ہیں کہ ایک مدت تک ہم بھیڑ کو بھیڑیئے کی مونث سمجھتے رہے لیکن جب گھوڑے ابھی سیاست میں نہیں آئے تھے' تب بھی ہم گھوڑے کے پیچھے نہ چلتے تھے کہ گھوڑے اور دولت کی دولتی بڑی خطرناک ہوتی ہے۔ ہم اللہ کے فضل سے مسلمان ہیں اور ہمارے لئے وہی حلال ہے جسے حلال کر سکیں۔ کہتے ہیں ایک عام مسلمان زندگی میں ایک ہزار مرغیاں' پچاس بکرے اور ستر گائیں کھا جاتا ہے۔ دنیا کے بڑے شکاری زیادہ تر مسلمان ہی ہیں' اس لئے عمران خان ٹی وی پر اشتہار میں جب یہ بات کہتے ہیں "جنگلی حیات کو بچائیں" تو یوں لگتا ہے جیسے کہہ رہے ہوں "جنگلی حیات کو مجھ سے بچائیں" شکار دراصل شہ کار یعنی بادشاہوں کا کام ہے۔ شیر جب تک زندہ رہتا ہے' بادشاہ رہتا ہے اور بادشاہ جب تک شیر رہتا ہے' زندہ رہتا ہے۔ ازبک کہاوت ہے چربی صرف بھیڑ ہی کی ہلاکت کا باعث نہیں بنتی۔ ہم انسانوں کو یہ تو نہیں کہتے کہ وہ جانوروں پر بھروسہ کریں' جانوروں سے کہتے ہیں' وہ انسان پر بھروسہ کریں اور اس سے مایوس نہ ہوں۔ انسان کو اتنی سدھارنے کی ضرورت نہیں جتنی سدھانے کی ہے۔ انسان کو حیوان ظریف بھی کہتے ہیں' اس پر بھی حیوان ہنستے ہی ہوں گے۔ پالتو جانور جتنی جلدی ہماری بات سمجھ جاتے ہیں' اتنی جلدی ہم ان کی بات نہیں سمجھ سکتے جس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ جانور زیادہ ذہین ہیں یا پھر یہ ان کا تجربہ ہے کیونکہ تجربہ کار کتا خرگوش کو دیکھے بغیر بھی اس کا تعاقب کر سکتا۔ ہم یہ تو نہیں کہتے کہ

جانوروں سے محبت نہ کرنا کسی جانور کا ہی کام ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ جانوروں سے محبت کرنا کسی انسان کا ہی کام ہے البتہ ان کا ادب ہندوؤں کا کام ہے۔ ان کا تو گائے سے ہی رشتہ ہے جو گائے کا بچھڑے سے ہے۔ بندر نہ ہوتا تو ان کے بھگوان رام جی کو اپنی سیتا پتنی کی رہائی کے لئے سیتا پتی نہ ملتا۔ کالی بلی کے ہندو کی بیویوں پر بڑے احسان ہیں کیونکہ جتنا ہندو کو گھر سے باہر جانے سے بلی روکتی ہے' اتنا اس کی گھر والی نہیں روک سکتی۔ انگریز تو جانوروں کو گھر کا فرد ہی نہیں سمجھتے بلکہ خود کو جانوروں کے گھر کا فرد سمجھتے ہیں۔ انہوں نے گھر میں بلی' کتے یوں رکھے ہوتے ہیں کہ لگتا ہے بلی کتوں نے انہیں رکھا ہوا ہے۔ انگلینڈ میں کوئی شخص شجرہ نصب پندرہویں پشت تک فرفر سنا دے تو یقین کر لیں' یہ اس کے کتے کا شجرہ نسب ہو گا لیکن ان کی انگریزی زبان میں جانور کے لئے "ہی" یا "شی" کا لفظ نہیں بلکہ وہ "اٹ" استعمال کرتے ہیں لیکن ہم اٹ اٹھائیں تو ہمیں غیر مہذب کہنے لگتے ہیں۔

برشی بارودت کو شاید جانور اس لئے بھی پسند ہوں کہ جانور بھی لباس نہیں پہنتے' پھر انسان کے علاوہ باقی تمام جانور جانتے ہیں کہ زندگی کا مقصد انجوائے کرنا ہے۔ برشی کو جانوروں سے مانوس ہونے میں اس لئے آسانی رہے کہ اس کی زیادہ عمر فلم انڈسٹری میں گزری ہے۔ اس کا یہ کہنا کہ جو جانوروں کا ادب نہیں کرتا' وہ جانور ہے' عجیب لگتا ہے۔ ہمارا تو خیال ہے برشی نے جانوروں کا ادب نہ کرنے والے کو جانور کہہ کر الٹا اس سے اپنی محبت کا اظہار کیا ہے کیونکہ جانوروں سے اس کی محبت کا یہ عالم ہے کہ وہ کسی مرد سے اظہار محبت کر دے تو وہ سمجھتا ہے' یہ مجھے جانور سمجھ رہی ہے۔

○○○

SIN - SOR BOARD •

دنیا میں جو شپ بہت مشہور ہوئے ہیں' ان میں برطانیہ کا الزبتھ شپ سپین کا آرمیڈا شپ اور پاکستانی سنسر شپ اہم ہے۔ ضیاء دور میں تو ایک وقت ایسا بھی آیا جب لفظ سنسر بھی سنسر ہونے لگا۔ فلم سنسر شپ نے تو اتنا بور کیا ہے کہ ہمیں تو یہ بورڈ' بور ہی کا کوئی صیغہ لگتا ہے۔ اس لئے پچھلے دنوں جب ایک سفارشی کو فلم سنسر بورڈ کا ممبر بنایا گیا تو دوستوں نے کہا' اس زیادتی پر احتجاج کرنا چاہیے تو ہم نے کہا' اگر وہ ممبر خود اس پر احتجاج نہیں کرتا تو پھر ہم کیوں کریں کیونکہ ہمیں تو جہاں ان ممبران پر یہ رشک آتا ہے کہ فلم کے وہ حصے جو ہمارے دیکھنے والے ہوتے ہیں' انہیں وہ دیکھ جاتے ہیں بلکہ کاٹ کر لے جاتے ہیں' وہاں ان پر رحم بھی آتا ہے کہ انہیں پوری فلم دیکھنا پڑتی ہے اور ہماری فلمیں ایسی ہیں کہ ہم نے ایک ممتاز فزیشن سے پوچھا "سر درد دیکھنے میں کیسا ہوتا ہے؟" تو اس نے کہا "ہماری فلموں جیسا" ------ لیکن اسمبلی میں ایک سوال کے جواب میں وفاقی وزیر میر افضل خان صاحب نے کہا ہے کہ سنسر بورڈ میں صرف اہل علم کو ہی نمائندگی دی جائے گی۔ اگرچہ ابھی تک یہ پتہ نہیں چلا کہ یہ فیصلہ فلم والوں کو ٹھیک کرنے کے لئے کیا گیا ہے یا اہل علم کو "ٹھیک" کرنے کے لئے البتہ یہ پتا ہے کہ فلم انڈسٹری میں اعلیٰ تعلیم یافتہ اداکارہ سے مراد یہ ہوتا ہے کہ اس نے میٹرک کیا ہوا ہے۔ پھر امریکی مزاح نگار راجر وولز کا ارشاد بھی ریکارڈ پر ہے۔ وہ کہتا ہے فلم انڈسٹری کو صرف ایک چیز تباہ کر سکتی ہے' وہ ہے تعلیم۔ سنسر والے فلم کا وہ حصہ جو اچھا ہوتا ہے' اسے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ جو اچھا نہیں ہوتا' صرف اسے اچھی طرح دیکھتے ہیں۔ فحاشی کیا ہے؟ جارج برنارڈشا تو کہتا ہے' فحاشی ہر کتاب میں ڈھونڈی جا سکتی ہے' صرف ایک کتاب جس میں فحاشی نہیں' وہ ہے ٹیلیفون ڈائریکٹری۔ یہ بات پرانی ہو گئی اب تو دنیا کی آدھی فحش باتیں اسی کتاب کے نمبروں

پر ہوتی ہیں۔ ہم نے ایک عالم سے پوچھا "فحاشی کی تعریف کریں۔" تو انہوں نے ڈانٹتے ہوئے کہا کہ ایسا زمانہ کبھی نہ آئے گا جب ہمارے ہاں فحاشی کی بھی تعریفیں ہوں گی۔ بہرحال سابقہ سنسر بورڈ کے ایک ممبر نے ہمیں فلم میں فحش سین کی یہ پہچان بتائی کہ یہ وہ ہوتا ہے جسے دوبارہ دیکھنے کو دل چاہے۔

ہمارا فلمی معیار کتنا بلند ہے؟

اداکارہ بابرہ شریف نے کہا "چار فٹ 11 انچ"

ہمارے فلمسازوں نے اتنی فلمیں نہیں بنائیں جتنا فلموں نے انہیں بنایا ہے۔ ہماری ایک فلم بھارت کی تین چار فلموں کے برابر ہوتی ہے کیونکہ بھارت کی تین چار فلموں کی کہانی مل کر کہیں ہماری ایک فلم کی کہانی بنتی ہے۔ ہماری ہر فلم میں ہیرو انتقام لے رہا ہوتا ہے اور لگتا ہے دیکھنے والوں سے انتقام لے رہا ہے کیونکہ اکثر فلمیں کیمرے سے شوٹ نہیں کی جاتیں' کلاشنکوف سے شوٹ ہوتی ہیں۔ چھوٹی اسکرین اور بڑی اسکرین میں یہ فرق ہے کہ چھوٹی سکرین کی خامیاں بڑی اسکرین میں اتنے گنا بڑھ جاتی ہیں۔

ٹی وی اور ریڈیو میں یہ فرق ہے کہ ریڈیو پر آپ بور پروگرام نہیں دیکھتے' سنتے ہیں۔

ہمارا ٹی وی ترقی کر رہا ہے اور اگر اسی طرح ترقی کرتا رہا تو چند سالوں میں وہی معیار حاصل کر لے گا جو آغاز کے وقت تھا۔ ٹی وی ڈرامہ جس میں ملک کے سب سے بڑے اداکار حصہ لیتے ہیں' اسے خبرنامہ کہتے ہیں۔ ہر جگہ سنسر شپ ہونے کے باوجود کہنے والے پھر بھی بات کہہ جاتے ہیں۔ جیسے کسی بات پر اکبر الہ آبادی نے عدالت میں کہہ دیا "کون سالا ایسا کہتا ہے؟" ایک وکیل نے کہا "یہ توہین عدالت ہے' انہوں نے گالی دی ہے' انہیں سزا ملنا چاہیے۔" تو اکبر الہ آبادی نے کہا "میں نے تو کہا ہے' کون سا Law ایسا کہتا ہے۔"

ہم سمجھتے ہیں سنسر بورڈ جمہوری دور کا آئینہ دار ہونا چاہیے۔ سنسر بورڈ میں علماء بھی ہونے چاہئیں' آخر ہمارے ہاں نوے فیصد لوگ فلم نہیں دیکھتے' پھر بھی بہت سے لوگ

فلم دیکھتے ہیں مگر ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔ ان کی نمائندگی بھی تو ہونا چاہیے۔ سنا ہے پہلی بار جب علماء کو فلمی سنسر بورڈ میں شامل کیا گیا تو وہ فلم دیکھ کر حیران رہ گئے کہ تصویریں بھی چلتی پھرتی اور بولتی ہیں۔ یہی نہیں مختلف مکتبہ فکر کے علماء کو تین گھنٹے ایک دوسرے کے پاس بیٹھنے کا موقع مل جائے گا۔ ہم تو کہتے ہیں سنسر بورڈ میں درزی بھی ہونا چاہیے کہ اس سے اچھی قینچی کون چلا سکتا ہے۔ ویسے اگر درزی فلم یونٹ میں ممبر ہو تو سنسر کی ضرورت ہی نہ رہے۔ ابن انشاء تو کہتے ہیں "جاٹ حضرات بھی ایک فلم کا نام بدلوا چکے ہیں۔ وہ جو "جٹی" تھی آخر "چٹی" بن کر ریلیز ہوئی۔ آئندہ بھی غلطی کا احتمال ہے' لہٰذا لازم ہے کہ ایک جاٹ بھی سنسر کے وقت کھاٹ ڈالے سنسر بورڈ میں مستقل بیٹھا ہو' جہاں کوئی بات خلاف مزاج پائی' وہیں اس نے فلم پروڈیوسر کے ڈھول جمائی۔"

ہمارے ہاں حکومت تفریح دینے کے لئے ٹی وی نشریات کا دورانیہ بڑھا رہی ہے جب کہ کہتے ہیں ہنگری کی حکومت نے عوام کو تفریح کے لئے بڑا اہم قدم اٹھایا ہے جس وجہ سے ہر پیر کی شب' سڑکوں پر رونق' کلبوں میں ہجوم' تھیٹروں میں رش' آرٹ کی نمائش اور پارٹیاں ہوتی ہیں۔ یہ صرف پیر کے روز ہوتا ہے۔ لوگ سکھ کا سانس لیتے ہیں۔ اس روز میلے کی وجہ محض یہ ہے کہ پیر کو ہنگری ٹی وی کی سکرین تاریک ہوتی ہے' اس روز ٹی وی کی چھٹی ہوتی ہے۔ ہماری فلموں میں بھی تفریح دوگنی ہو سکتی ہے بس ان کا دورانیہ تین گھنٹے کی بجائے ڈیڑھ گھنٹہ کر دیا جائے۔ جہاں تک صاف ستھری معیاری فلم کا تعلق ہے تو جیسے انتظار حسین نے انور سجاد کے بارے میں لکھا کہ انور سجاد افسانہ اب بھی لکھ رہے ہیں' اگرچہ وہ مختصر سے مختصر ہوتا جا رہا ہے۔ یاروں کو اندیشہ ہے کہ ایک روز انور سجاد خالی کاغذ لے کر آئیں گے اور کہیں گے' یہ افسانہ میں نے لکھا ہے اور مداحوں کے لئے یہ انور سجاد کا سب سے اچھا افسانہ ہو گا۔ ایسے ہی ہمارے ہاں سب سے صاف ستھری فلم وہی ہو گی جس کا فیتہ شوٹ نہیں کیا گیا

ہو گا۔

○ ○ ○

• بے نظیر بھٹو یا بے نظیر زرداری

جیسے ہر حل کا ایک مسئلہ ہوتا ہے' ایسے ہی بے نظیر کا نام بے نظیر بھٹو ہونا چاہیے یا بے نظیر زرداری' یہ بھی ایک مسئلہ ہے۔ ہم تو بڑوں کے ناموں کے چکر میں نہیں پڑتے۔

بچپن میں ہم نے ایک بڑے کو اس کا نام لے کر بلایا تھا تو گھر والوں نے ہمیں ڈانٹا اور کہا توبہ کرو' آئندہ کبھی کسی بڑے کا نام نہ لو گے۔ سے اس لئے کوئی پوچھے کہ سب سے بڑا مزاح نگار کون ہے؟ تو ہم کسی کا نام نہیں لیتے لیکن ہمارے علماء کے لئے سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ کوئی مسئلہ نہ ہو۔ سو معروف علماء نے مسئلہ پاتے ہی یہ حل دے دیا ہے کہ خاوند کا نام اپنے نام کے ساتھ لکھنا مغربی روایت ہے جب کہ اسلامی اور مشرقی روایت یہ ہے کہ نام کے ساتھ والد کا نام استعمال کیا جائے۔

یوں بے نظیر زرداری کی بجائے بے نظیر بھٹو اسلامی اور مشرقی نام ہے۔ واقعی ہم مشرقی ہیں اور ہمارے ہاں دیہاتی عورتیں اپنی زبان پر کسی بھی بری چیز کا نام تک نہیں لاتیں' اسی لئے اپنے خاوند کو اس کے نام سے نہیں بلاتیں۔ پھر ہم مغرب میں جتنی دیر مرضی رہ لیں' ہماری مشرقیت نہیں جاتی یعنی اگر بس میں سوار ہونے کے لئے لائن میں کھڑے ہوں گے تو جونہی بس آئے گی' سب بھول کر دھکے دے کر چڑھنے میں سب سے آگے ہوں گے۔ بقول ابن انشاء یہ مشرقیت کا نمونہ ہے۔

روم میں رہو تو وہ کرو جو رومیوں نے کیا تھا۔ پھر بھی ہم سمجھتے ہیں نام کے ساتھ خاوند کا نام لگانا مغربی روایت نہیں۔ اداکار وارین بیٹی سے کسی نے پوچھا "آپ کیا سمجھتے ہیں چالاک مرد اچھے خاوند ہوتے ہیں؟" کہا "چالاک مرد کبھی خاوند نہیں ہوتے۔" اگرچہ "بیٹی" وہ اداکار ہے کہ ہمارے ہاں ایسے نام والی بیوی کو خاوند اس کے نام سے ہی بلا لے تو نکاح ٹوٹ جائے۔ بیٹی کہتا ہے' امریکی عورتیں اپنے نام کے ساتھ باپ کا نام لگانا چاہتی ہیں کیونکہ خاوند کا کیا' وہ تو بدلتے رہتے ہیں۔ ویسے تو مغرب میں آج کل

کسی سے اس کے والد کا نام پوچھنا غیر اخلاقی حرکت ہے۔ وہاں کی ایک معروف بزنس مین خاتون نے اپنی بچی کی پاکستانی ٹیچر سے کہا "اس سے امتحان میں آسان سے آسان سوال پوچھنا۔" ٹیچر نے بڑا سوچ کر یہ سوال پوچھا "بیٹی آپ کے ابو کا نام کیا ہے؟" تو بزنس مین خاتون ناراض ہو کر کہنے لگیں "میں نے تو تمہیں کہا تھا بچی سے آسان سوال پوچھنا۔"

ایک رپورٹ کے مطابق لندن کے ایک سکول میں بچوں کو اپنے اپنے والد کا نام لکھنے کے لئے کہا گیا تو چالیس کی کلاس میں سے پندرہ لڑکے نقل کرتے ہوئے پکڑے گئے۔

والد یا خاوند کے نام سے پکارنا تو ایک طرف' وہاں تو نام سے پکارنا کوئی اچھی بات نہیں وہاں تو To calls names گالی ہے۔

نکاح نامہ وہ دستاویز ہے جو عورت کو مرد کا نام استعمال کرنے کا قانونی حق دیتی ہے لیکن الزبتھ ٹیلر کہتی ہے' نکاح نامہ عورت کو جو حقوق دیتا ہے ان میں سب سے اہم طلاق کا اطلاق ہے۔ ہمارے ہاں بیویاں خاوندوں سے ہر ماہ کی ساری تنخواہ اس لیے لے لیتی ہیں کہ وہ آہستہ آہستہ حق مہر کی رقم نہ اکٹھی کر لیں۔ ہمارے ایک دوست کے بقول خاوند کا نام استعمال کرنے سے یہ فائدہ ہو سکا ہے کہ اگر کسی وزیر بی بی نامی خاتون کی شادی اعظم نامی شخص سے ہو گئی تو وہ وزیر اعظم کہلا سکے گی البتہ شاعروں کی بیویوں کو مسئلہ ہو گا کیونکہ شاعروں کے نام اکثر ایسے ہوتے ہیں کہ جس نے انہیں برا بھلا کہنا ہوتا ہے' وہ انہیں ان کا نام لے کر بلانے لگتا ہے جیسے احمق' پھپھوندوی' میتھی قصوری' اقبال دیوانہ' اصغر سودائی وغیرہ ------ شاعری کی ہمیں اتنی ہی پہچان ہے کہ کتاب کھولتے ہی ہمیں پتہ چل جاتا ہے کہ یہ شاعری کی کتاب ہے البتہ شاعروں کے ساتھ ہمارا سلوک وہی ہوتا ہے جو نعیم بخاری کا شعروں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسی لئے گھر والے جب کہتے ہیں' سودا لاؤ تو ہم میر پسند بن جاتے ہیں۔ ناموں کی قلت ایک الگ مسئلہ ہے۔ پچھلے دنوں ہمارے دوست کے ہاں چوتھا بیٹا پیدا ہوا' انہوں نے پوچھا

کیا نام رکھوں؟

پہلے بچوں کے نام تھے ----- رحمت الٰہی، محبوب الٰہی اور برکت الٰہی

ایک دوست نے سوچ کر کہا، اس کا نام رکھ دو ------ "بس کر الٰہی"

ایسے ہی پنجاب یونیورسٹی کے ایک رجسٹرار ایس پی سنگھا گزرے ہیں۔ ان کے گیارہ بچوں کے نام کے آخر میں سنگھا آتا ہے۔ بارھواں بچہ ہوا تو انھوں نے شوکت تھانوی صاحب سے پوچھا، اس کا نام کیا رکھوں؟ انھوں نے کہا "بارہ سنگھا"

آسان نام مشکل سے یاد ہوتے ہیں۔ اگرچہ ہمارے علماء کے نام طویل اور وہ خود عریض ہوتے ہیں۔ چلو ان کے نام تو قد آور ہوتے ہیں لیکن ڈیلی ایکسپریس لندن کے مطابق نیوزی لینڈ کے لارنس واٹکنز کا نام دنیا کا طویل ترین نام ہے۔ اتنا لمبا نام کہ جب ایک صحافی نے اس کی بیوی سے اس کے خاوند کا نام پوچھا تو اس نے کہا "اتنی جلدی کیسے یاد ہوگا، ابھی تو ہماری شادی کو صرف چھ ماہ ہوئے ہیں۔" کچھ لوگ اتنے با پردہ ہوتے ہیں کہ ان کے نام تک نے گھونگھٹ نکال رکھا ہوتا ہے۔ جیسے م ش، ن م راشد ------ ہم نے ایک بار ایسا ہی ایک باپردہ فقرہ پڑھا۔ وہ یوں تھا "ڈی جی خان میں مسٹر ایم این خان نے پی ڈبلیو ڈی کے ایس ڈی او کا عہدہ سنبھال لیا۔"

سیاست میں نام اتنی جلدی بنتے بگڑتے ہیں کہ دو ماہ میں آئی آئی چندریگر، گئی گئی چندریگر ہو جاتا ہے۔ اسلام میں بیٹی کو باپ کی جائیداد کا بیٹے سے آدھا حصہ ملتا ہے۔ اس حساب سے تو نام بھی آدھا ملنا چاہیے۔ یوں ٹوانہ میں ٹو بیٹے کا اور آنہ بیٹی کا۔ ایسے ہی دولتانہ میں دولت بیٹے کی اور آنہ بیٹی کا۔

ہم جب آئینہ دیکھتے ہیں تو ہم اس میں اپنا عکس نہیں دیکھ رہے ہوتے، عکس ہمیں دیکھ رہا ہوتا ہے۔ ایسے ہی نام بندے کی پہچان نہیں ہوتا، بندہ اس کی پہچان بنتا ہے۔ تھیچر جب برطانیہ کی وزیراعظم تھیں تو لوگ کہتے، پہلے برطانیہ کے لیڈر گریٹ ہوتے تھے، اب مارگریٹ ہوتے ہیں۔ ایسے ہی ہمارے ہاں پہلے بھٹو بے نظیر لیڈر تھے، اب بے نظیر بھٹو لیڈر ہیں۔ ویسے شیکسپئر نے کہا تھا، نام میں کیا رکھا ہے؟ گلاب کے پھول کو کسی

بھی نام سے پکارو تو وہ خوشبو دے گا لیکن کیا کریں جارج ریڈی کہتا ہے' نام میں ہی سب کچھ ہے۔ گلاب کا پھول کسی بھی اور نام سے خوشبو تو ایسی ہی دے گا لیکن کسی اور نام سے بازار میں اس کی قیمت نصف سے بھی کم ہو جائے گی۔

○○○

- **توا ---- زن**

بجٹ اعداد و شمار کی شاعری کو کہتے ہیں اور شاعری کا ہمارے نزدیک یہی فائدہ ہے کہ آپ کو سونے کے لئے نیند کی گولی کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ اس سال بجٹ کے بعد یہ ہوا کہ گھر میں کسی کو ہنستا اور سرکاری دفتر میں کسی کو سویا دیکھ لیں تو ہمیں فوراً یقین ہو جاتا ہے کہ اسے بجٹ کی سمجھ نہیں آئی۔ ہمیں تو کوئی لطیفہ سنائے تو اگلے دن جا کر ہم کھل کھلا کر ہنس پڑتے ہیں جس کی وجہ بعض لوگوں کے نزدیک یہ ہے کہ ہمارے بزرگ امرتسر سے آئے تھے۔ بہرحال بوجوہ ہمیں ابھی تک بجٹ کی سمجھ نہیں آئی لیکن لگتا ہے اینٹی سموکنگ سوسائٹی کو اچانک بجٹ کے اس حصے کی سمجھ آ گئی ہے جس میں حکومت نے غریبوں کے سگریٹ برانڈز پر ڈیوٹی لگا دی ہے جب کہ مہنگے برانڈز پر نہیں لگائی۔ اس پر سوسائٹی نے احتجاج کیا ہے حالانکہ اس پر حکومت کا شکریہ ادا کرنا چاہیے تھا کہ اس نے غریبوں کا اتنا خیال رکھا کیونکہ سگریٹ پینے سے عمر کم ہوتی ہے۔ بقول ڈاکٹر شفیق الرحمٰن اب ساٹھ سال کا ہوں' اگر سگریٹ نہ پیتا تو عمر زیادہ لمبی ہوتی یعنی اب تک ستر سال کا ہو چکا ہوتا۔ سگریٹ پینے والا یہی سمجھتا ہے' وہ سگریٹ پی رہا ہے حالانکہ سگریٹ اسے پی رہا ہوتا ہے۔ کنگ سائز فلٹر سمارٹ اور لمبا ہوتا ہے' کوئین سائز اس لئے نہیں بناتے کہ لوگ بھدے اور موٹے سگریٹ پسند نہیں کریں گے۔ انگریزی محاورے کے مطابق روز ایک سیب ڈاکٹر کو آپ سے دور رکھتا ہے۔ ہمارے دوست زخمی صاحب تو اس محاورے پر اتنا یقین رکھتے ہیں کہ ہمیشہ اپنی منگیتر نرس کو سیب ہی تحفے میں بھیجتے ہیں۔ غریب سیب خرید کر ڈاکٹر کو دور نہیں رکھ سکتے البتہ سگریٹ نہ خرید کر رکھ سکتے ہیں۔ غریب اپنا پیٹ کاٹ کر روٹی کماتا ہے جب کہ سرجن دوسروں کا پیٹ کاٹ کر اپنی روٹی کماتا ہے۔ ویسے ہمارے ہاں ڈاکٹروں کی اتنی عزت ہے کہ جو ڈاکٹر کو پرائیویٹ کلینک پر دکھا کر آ رہا ہو جیب تراش اس

کی جیب نہیں کاٹتے۔ بہرحال ڈیوٹی لگنے سے غریب سگریٹ خرید سکیں گے نہ پی کر بیمار ہوں گے جب کہ امیروں کے برانڈ پر ڈیوٹی نہیں لگی' وہ پئیں گے اور کم عمر پائیں گے۔ یوں بھی غریبی ختم کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ امیری ختم کر دی جائے۔

ویسے یہ ٹیکس غریب کا توازن نہیں بگاڑ سکتے۔ اس کا توازن تب بگڑتا ہے جب توا' زن سے دور ہو جائے۔

فائن وہ ٹیکس ہوتا ہے جو غلط کام کرنے پر لگتا ہے اور ٹیکس وہ فائن ہوتا ہے جو بہتر کام کرنے پر ادا کرنا پڑتا ہے۔ کہتے ہیں حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی کشتی میں جب ہر ذی روح کا ایک ایک جوڑا سوار کیا تو ایک جوڑا ٹیکسوں کا بھی سوار کیا۔ وول راجرز کے بقول سور کے بعد جس کی افزائش نسل سب سے تیز ہوتی ہے' اسے ٹیکس کہتے ہیں۔ ہمارے وزیر خزانہ مخدوم شہاب الدین صاحب تو اتنے محتاط ہیں کہ وہ تو ریلوے لائن کراس کرنے لگیں تو پہلے قریبی اسٹیشن سے آنے جانے والی ٹرینوں کے اوقات معلوم کرکے تسلی کر لیتے ہیں' پھر کراس کرتے ہیں۔ انہوں نے ٹیکس بھی تسلی سے لگائے ہیں۔ لگتا ہے اس بجٹ سے ہر چیز مہنگی ہو جائے گی' صرف ایک چیز سستی ہو گی وہ ہے روپیہ۔ اس بجٹ پر ایک سکول ٹیچر نے اپنی کلاس کے طلباء کو دو سو الفاظ پر مشتمل ایک مضمون لکھنے کو کہا۔ ایک طالب علم نے جو مضمون لکھا وہ یوں تھا۔ "ڈیڈی بجٹ سمجھ کر گھر آئے' کچھ دیر چپ رہے۔ یہاں تک کل دس الفاظ بنتے ہیں۔ باقی 190 الفاظ وہ ہیں جو ڈیڈی نے بجٹ کی شان میں کہے' انہیں یہاں تحریر کرنے کی ہمت نہیں۔"

آج کل اتنی مہنگائی ہے کہ جتنے میں آج ایک آزاد رکن اسمبلی ملتا ہے' بھلے وقت میں اتنے میں پوری پارٹی مل جاتی تھی۔ ایک صحافی کے بقول "جب ہم بھوکے ہوتے تھے تو اتنی تنخواہ کا خواب دیکھا کرتے' اب اتنی تنخواہ میں ہم بھوکے ہیں۔" حکومت وسائل نہیں' و ...... سائل پیدا کر رہی ہے۔ روزانہ دس ہزار افراد بالغ ہو رہے ہیں۔ ہمارے ہاں بالغ ہونے کا اردو مترادف ہے بیروزگار ہونا۔

پاکستان میں بارہ کروڑ انسان اور بے شمار سیاستدان رہتے ہیں۔ سیاستدان اس دن مرتا ہے جس دن فوت ہوتا ہے جبکہ بہت کم غریب اس دن تک زندہ ہوتے ہیں جس دن فوت ہوتے ہیں۔ اب طاقت کا سرچشمہ طاقت ہی ہے۔ میں امیر ہونے کا کوئی گر تو نہیں بتا سکتا البتہ غریب ہونے کا بتا سکتا ہوں وہ ہے ہر کام مکمل ایمانداری سے کریں۔

حکومت کے ہر کام میں عوام کا فائدہ ہوتا ہے جیسے اسلام آباد میں پانی نہ ہونے سے یہ ہوا کہ لوگوں کو خالص دودھ ملنے لگا۔ یہاں تک کہ لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے نیا فیشن آ گیا۔ لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے اکثر اداکارائیں اپنی چھوٹی بہنوں کے کپڑے پہن کر تقریبات میں چلی جاتیں۔ جس روز پہلی اداکارہ اپنی چھوٹی بہن کی شلوار پہن کر باہر آ گئی' اونچے پائنچوں کا فیشن شروع ہو گیا۔ ایسے ہی سگریٹ پر ڈیوٹی سے غریبوں کو یہ فائدہ ہو گا کہ اس بری عادت کو چھوڑ سکیں گے۔ ویسے جنرل ضیاء الحق مرحوم کہا کرتے تھے' سگریٹ چھوڑنا کونسا مشکل کام ہے' میں کئی بار چھوڑ چکا ہوں۔

○○○

• ”دیوانے“ خاص

ہمارے ہاں جتنا ”ادب“ لکھا جا رہا ہے‘ اس حساب سے تو بہت جلد اسے ”آداب“ کہا جانے لگے گا۔ ناول ادب کی سب سے وزنی صنف سخن ہے۔ ہمارے دوست پیار بارہ بنکوی جو بہت جلد ہر بات سے نتیجہ نکال لیتے ہیں‘ انہوں نے تو اپنی شادی کے سات ماہ بعد ہی نتیجہ نکال لیا تھا۔ ان کے سامنے بندہ ایک بار کھانس لے تو کہیں گے‘ اسے ٹی بی ہے۔ بندہ ایک بار جھوٹ بول لے تو کہہ دیں گے‘ یہ سیاستدان بنے گا۔ ہم کو بچپن میں ایک بار کاغذ ضائع کرتے دیکھ کرانہوں نے کہا تھا‘ یہ ایک دن ناول نگار بنے گا۔ ہمیں ناول لکھنا اب بھی اتنا اچھا لگتا ہے کہ ہم گھنٹوں بیٹھے دوسروں کو ناول لکھتے دیکھتے رہتے ہیں لیکن ہم ناول نگار نہ بن سکے۔ ہم سمجھتے تھے اس سے صرف اردو ادب کو ہی فائدہ پہنچا لیکن اب پتہ چلا کہ ہم بھی بال بال بچ گئے۔ ماہر نفسیات ڈاکٹر فیلکس پوسٹ نے دس سالہ تحقیق کے بعد کہا ہے کہ 72 فیصد اچھے ناول نگار ذہنی مریض ہوتے ہیں۔ یہ تو اچھا ہوا ڈاکٹر صاحب نے ”اچھے“ ہونے کی شرط لگا دی ورنہ ہمارے تو تمام ناول نگار ڈاکٹر رشید چوہدری کا رزق بن گئے تھے۔ ہمیں یاد ہے کئی برس پہلے ہم نے ایک ناول کا دیباچہ پڑھا تھا جس میں ناول نگار نے لکھا تھا کہ میں شدید بیمار ہوا تو ڈاکٹروں نے مجھے ہر قسم کا ذہنی کام کرنے سے منع کر دیا۔ ان دنوں میں فارغ تھا‘ کچھ لکھنے کو دل نہ چاہتا تھا۔ لیٹے لیٹے میں نے ناول لکھ دیا۔ ویسے وہ ناول بھی ایسا ہے کہ اسے پڑھتے پڑھتے بندہ لیٹ جاتا ہے۔ 1943ء میں جارج برنارڈشا نے بھی کہا تھا کہ ناول نگار نارمل شہری نہیں ہوتے مگر اس زد میں صرف ”شہری“ ہی آئے لیکن فیلکس پوسٹ نے تو تقریباً سب ناول نگاروں کو ”دیوانے خاص“ قرار دے دیا ہے۔ ہمیں تو کبھی سمجھ نہیں آئی کہ بعض عدالتوں کو دیوانی عدالتیں کیوں کہتے ہیں؟ ان کے کچھ فیصلے سنے تو پتہ چلا کہ انہیں باہوش عدالتیں کیوں نہیں کہتے؟

بہرحال فیلکس پوسٹ نے 72 فیصد ناول نگاروں کو ذہنی مریض کہا ہے جس میں پریشانی کی بات یہ ہے کہ ان کے ہاں رائٹرز میں ناول نگار ہیں ہی 72 فیصد۔

سمرسٹ ماہم کہتا ہے ناول لکھنے کے تین اصول ہیں اور بدقسمتی سے کوئی بھی نہیں جانتا کہ یہ کیا ہے۔ ہمارے ہاں ناول لکھنے سے مشکل اگر کوئی کام ہے تو وہ ہے ناول پڑھنا۔ بھارت میں صحت مند اور توانا کو قوی اور کمزور کو کوی کہتے ہیں۔ کسی نے پوچھا پاکستان میں صحت مند اور توانا کو کیا کہتے ہیں؟ تو ہم نے کہا " اسے کچھ نہیں کہتے' جو کہتا ہوتا ہے کمزور کو ہی کہتے ہیں۔" ہمارے ہاں کمزور صحت والے لوگ ناول لکھ تو سکتے ہیں' پورا پڑھ نہیں سکتے۔ یوں بھی ہمارے ہاں رائٹر سے زیادہ ریڈر کی اہمیت ہے' اسی لئے تو مجسٹریٹ سے لے کر سول جج تک نے ریڈر رکھے ہوتے ہیں۔

کئی ناول پڑھنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ ناول سو ڈیڑھ سو صفحے کے بعد شروع ہوتا ہے اور اکثر اختتام سے سو ڈیڑھ سو صفحے پہلے ختم ہو جاتا ہے۔ ہمارے ہاں عورتیں زیادہ ناول لکھتی ہیں جس کی وجہ تو یہ ہے کہ ناول سے طویل صنف سخن اور کوئی ہے نہیں۔ وہ خواتین جن کے شادی سے پہلے افسانے مشہور ہوتے ہیں' وہ بھی شادی کے بعد ناول پر لگ ہی نہیں جاتیں' ناول لگنے بھی لگتی ہیں یعنی ایک بار شروع ہو جائیں تو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتیں۔ اردو میں ناول نگار اتنے کم نہیں جتنے کم ناول ہیں۔ نیا ناول وہ ہوتا ہے جو کبھی پرانا نہ ہو۔ جس کے ساتھ لکھا جائے' پرانا ناول' یقین کر لیں وہ کبھی نیا ناول تھا ہی نہیں۔ ناول نگار ڈاکٹر فضل الرحمٰن لاہوری کہتے ہیں' میرے ناول بہت چلتے ہیں۔ جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ میں انہیں چلتے ہوئے لکھتا ہوں' تب رکتا ہوں جب ناول ختم کر لوں۔ ناول ختم کرنے میں ان کی کوششوں کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ انہی کے ہم نام لاہور کے ایک اور ناول نگار ہیں جن کا ناول جس چھاپہ خانہ پر جاتا ہے' اس خانہ پر چھاپہ پڑ جاتا ہے۔ ان کے ناول لوگ اس وقت تک ہاتھ سے نہیں رکھتے جب تک یقین نہ کر لیں کہ آس پاس بچے اور عورتیں نہیں ہیں۔ مغرب

میں بیسٹ سیلر ناول وہ ہوتے ہیں جن کے کور پر خوبصورت لڑکی ہو اور لڑکی پر کوئی کور نہ ہو۔ وہاں بھی ناول جتنا "چیپ" ہوتا ہے' اتنا مہنگا ہوتا ہے۔ ناول میں اور کچھ ہو نہ ہو' ناولٹی ضرور ہونا چاہیے۔ وہ کتاب جسے اس کا مصنف دو بار پڑھ سکتا ہے اس قابل ہوتی ہے کہ ایک بار پڑھی جا سکے۔ دنیا میں جو کتابیں سب سے کم پڑھی جاتی ہیں' وہ ہوتی ہیں جو مصنف اپنے دستخط سے دوسروں کو دیتا ہے۔

پاکستان جب سے بنا ہے' اس میں پڑھے لکھوں اور جاہلوں کا تناسب مستقل ہے۔ بس یہ فرق پڑا ہے کہ آج کل جاہل بھی پڑھ لکھ لیتے ہیں۔ پھر بھی پاکستان میں ادب لکھ کر اس کا رسپانس چاہنا ایسا ہی ہے جیسے فرش پر پھول کی پتی پھینک کر کوئی اس کی گونج سننا چاہے۔ ہمارے ہاں اتنی سستی کتابیں نہیں جتنے سستے ادیب ہیں۔ ہمارے ایک دوست نے ناول چھاپا۔ ہم نے پوچھا "کچھ بکا بھی؟" کہا "ہاں بکا! میرا ویسپا بک گیا۔" ہمارے ہاں جو ناول بالکل نہ بکے' اسے ادبی ناول کہتے ہیں۔ جس رائٹر کو اس کا پبلشر اور بیوی جینوئن مانے' وہی جینوئن ہے۔ اسی لئے جب پی جی وڈ ہاؤس نے ایک بار اپنے پبلشر سے کہا کہ لگتا ہے کہ میرا ناول اتنا اچھا نہیں جتنے اچھے پہلے تھے تو پبلشر نے کہا "آپ کا خیال غلط ہے' آپ کی تحریر ویسی ہی ہے جیسے ہمیشہ تھی بس یہ ہوا ہے کہ آپ کا پڑھنے کا ذوق بہتر ہو گیا ہے۔" ہم نے ایک پبلشر سے پوچھا "کہتے ہیں پاکستان میں کئی دہائیوں سے کوئی بڑا ناول نہیں چھپا' اس کی وجہ کیا ہے؟" کہا "بالکل غلط! بڑا ناول کیوں نہیں چھپا' میں نے تو خود اتنے اتنے بڑے ناول چھاپے ہیں کہ تم ایک ہاتھ سے اٹھا نہ سکو گے۔" یہ مان بھی لیا جائے کہ بڑا ناول چھپ رہا ہے' تب بھی یہ حقیقت ہے کہ بڑے ناول نگار کم ہو گئے ہیں۔ ڈاکٹر فلیکس پوسٹ کی تحقیق کی روشنی میں اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ ہمارے ہاں ادیب کو پہلے سے بہتر طبی سہولتیں میسر ہیں۔ وہ ابھی ناول مکمل نہیں کرتا کہ اس کا علاج مکمل ہو چکا ہوتا ہے۔

- آب و ہوا

اگرچہ سورج سے شاعروں' ادیبوں کو ہمیشہ یہ شکایت رہی ہے کہ یہ صبح بہت جلدی نکل آتا ہے۔ عین اس وقت جب ان کے سونے کا وقت ہوتا ہے۔ ویسے بھی اگر سورج دوپہر یا رات کو نکلتا تو زیادہ مفید ہوتا' بجلی کا خرچہ تو بچتا لیکن پھر بھی جب سائنس دانوں نے یہ خبر دی کہ سورج ٹھنڈا ہو رہا ہے تو سب گرم ہو گئے۔ ابن انشاء نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اس سے بڑے مسائل پیدا ہوں گے۔ ہمارے دوست خواجہ عبدالغنی پیدل صبح چرند پرند کے ساتھ اٹھتے ہیں اور سورج نکلنے تک سیر اور ورزش کرتے رہتے ہیں۔ اب سورج نہ ہو گا' نہ نکلے گا۔ ظاہر ہے پیدل صاحب قیامت تک سیر کرتے رہیں گے یا ڈنڈ پیل پیل کر پیلے ہو جائیں گے۔ کامل مراد آبادی نے تو سورج ٹھنڈا ہونے سے پیدا ہونے والی صورت حال سے نپٹنے کے لئے اپنے کپڑے دھو کر سوکھنے ڈال دیئے کہ سورج نہ رہا تو پھر یہ کپڑے کیسے سوکھیں گے مگر یہ تو اچھا ہوا کہ سائنس دانوں نے کہہ دیا کہ سورج کو ٹھنڈا ہونے میں تین کروڑ سال لگ جائیں گے' ایک دو مہینہ اوپر بھی ہو سکتا ہے۔ تب تک شاید کپڑوں کا مسئلہ نہ رہے مگر اب سائنس دانوں نے یہ کہہ کر ہمارا سانس روک دیا ہے کہ اگر یہی حالات رہے تو پچاس سال بعد سانس لینے کے لئے آکسیجن نہ رہے گی' ہمیں ابھی سے اس کا انتظام کر لینا چاہیے۔

کامل مراد آبادی کئی دنوں سے ہوا نہ رہنے کی صورت حال سے نپٹنے کے لئے سوچ رہے تھے۔ سوچ کے معاملے میں وہ بڑے سیاستدان ہیں یعنی سوچ رہے ہوں تو سمجھ نہیں رہے ہوتے۔ سمجھ رہے ہوں تو سوچ نہیں رہے ہوتے۔ بہرحال ابھی ابھی انہوں نے آ کر یہ مژدہ سنایا ہے کہ ہوا نہ ہونے سے جو صورتحال پیدا ہو گی' اس کو انہوں نے حل کر دیا ہے۔ ویسے بھی مذہب' الکوحل اور شاعری میں سب کچھ حل ہو جاتا ہے۔ انہوں نے کہا اگر ہوا نہ رہی' تب بھی کام چل جائے گا۔ پوچھا "کیسے؟" کہا' جہاں جہاں

ہوا استعمال ہوتی ہے میں نے نعم البدل کا انتظام کر دیا ہے۔ تمام محاوروں سے ہوا نکال دی ہے۔ میں نے تو ابھی سے آب و ہوا کو آب و حوا لکھنا شروع کر دیا ہے۔ ویسے تو موصوف پہلے بھی ایسے ہی سوچتے تھے' جب بھی ڈاکٹر کہتا' آپ کی صحت کے لئے ضروری ہے' آپ اپنی آب و ہوا تبدیل کریں' تو اس کے لئے وہ سیدھے شادی دفتر کی راہ لیتے۔

صاحب دنیا کے بڑے شہروں میں اگر کوئی خالص چیز ملتی ہے تو وہ دھواں ہے البتہ سنا ہے خالصتان میں سکھ بھی خالص ملیں گے لیکن خالصتان شاید ابھی تک اس لئے نہیں بن سکا کہ اس کے لیڈر نرے سکھ ہیں۔ ویسے ہمارا ایک سفر نامہ نگار کہتا ہے کہ میں نے سب سے زیادہ دھواں امریکہ کے ایک شہر میں دیکھا۔ ہم نے پوچھا "کون سے شہر میں؟" کہا "اتنا دھواں تھا کہ شہر میں دیکھ ہی نہیں سکا۔" ہمارے ہاں بھی ہر طرف دھواں دینے والی گاڑیاں مشینیں اور مرد ملتے ہیں۔ بڑے شہروں میں سانس لینا ایک ڈبی سگریٹ پینے کے مترادف ہے۔ اس حساب سے پچیس سال بعد سگریٹ بکنے بند ہو جائیں گے کیونکہ بندہ جب بھی سانس کھینچے گا' اسے یہی لگے گا سگریٹ کا کش لے رہا ہے۔ ہمارے ایک دوست کے بقول اب گھروں کی فضا ایسی ہے کہ سانس لینے کے لئے گھر سے باہر جانا پڑتا ہے۔ واقعی جب سے ان کی شادی ہوئی ہے' انہیں سانس لینے کے لئے گھر سے باہر ہی جانا پڑتا ہے۔ کراچی کے آج کل جیسے فلیٹس ہیں' ان کے دروازے کے تالے میں چابی چھوڑ دینا مکینوں کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے کیونکہ اس طرح ہوا کی آمد و رفت کا واحد راستہ بند ہو جاتا ہے۔ پہلے کہتے' آپ کو دنیا صاف نظر نہیں آ رہی تو اپنی عینک کا نمبر تبدیل کروائیں۔ اگرچہ ہم دوسرے ممالک سے زیادہ صفائی پسند ہیں۔ امریکہ میں تو یہ عالم ہے کہ وہاں گھروں میں غسل خانے کم اور ٹی وی زیادہ ہیں۔ ہم نے وہاں کے ایک فلم جرنلسٹ سے پوچھا "آپ نہاتے ہیں کہاں ہیں؟" کہا "فلموں میں"

کہتے ہیں نیکی کر دریا ڈال۔ ہم اکثر سوچتے ہیں کہ جن شہروں کے پاس دریا نہیں گزرتے

وہ نیکی کرکے اس کا کیا کرتے ہیں لیکن اب دریاؤں کی حالت دیکھ کر یہی کہہ سکتے ہیں "نیکی کر دریا میں کچھ نہ ڈال۔" سڑکیں ایسی کہ گھوڑوں کو سڑک ڈھونڈ ڈھونڈ کر اس پر قدم رکھنا پڑتا ہے۔ ٹریفک اتنی ٹیرفک کہ ایک ماں گھر میں اپنے بچے کی صحت کے بارے میں فکر مند تھی۔ ہم نے پوچھا "بچہ کس میں مبتلا ہے؟" کہا "موٹر سائیکل میں مبتلا ہیں۔" ہم پاکستان کے باسی ہیں مگر ہمارے حکمران باسی چیزوں اور لوگوں سے پرہیز کرتے ہیں۔ کسی سیاستدان سے پوچھ لو کہ پچاس سال بعد کیا ہو گا؟ کہے گا "وہی ہو گا جو آج نہیں ہو رہا۔" پوچھو تو "آج کیا نہیں ہو رہا؟" جواب ہو گا "جو پچاس سال بعد ہو گا۔" یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی نے کہا تھا نواز شریف ان لوگوں سے زیادہ مذہبی ہے جو اس کم مذہبی ہیں۔ چاند پر آکسیجن نہیں' گویا پچاس سال بعد یہ دنیا بھی چاند بن جائے گی۔ ہم تو ابھی سے اسے چاند میری زمین کہتے ہیں۔ ویسے ہمارے ہاں محبوب کو چاند شاید اس لئے ہی کہتے ہیں کہ وہ سانس لینے میں دشواری پیدا کرتا ہے۔ ہمیں لگتا ہے پچاس سال بعد وہی ہو گا جو آج کل نیپال کے ایک ہوٹل میں ہو رہا ہے۔ یہ ہوٹل 12700 فٹ کی بلندی پر ہے۔ وہاں روم سروس کے مینو میں سب سے فیورٹ ڈش جو ہے' وہ ہے آکسیجن۔ پچاس سال بعد ہر ہوٹل پر یہی ڈش ڈشوں ڈشوں کرے گی کیونکہ پوری آکسیجن نہ ملنے سے بندہ پانچ منٹ کام کرے گا تو اتنا تھک جائے گا کہ تھکاوٹ اتارنے کے لئے پورا دن آرام کرنا پڑے گا اور ایک محقق کے نزدیک ان حالات میں جو بندہ پورا دن آرام کرے گا اسے آرام کی تھکاوٹ اتارنے میں دو دن لگ جائیں گے۔ ہم جیسوں کا کیا بنے گا؟ ہماری تو اب یہ حالت ہے جس دن صبح اٹھ کر طبیعت ذرا بہتر لگے فوراً ڈاکٹر کو بلا لیتے ہیں۔ صاحب مستقبل میں یہی خوبی ہے کہ یہ یکدم نہیں آتا' ایک ایک دن کرکے ملتا ہے۔ اگرچہ ایک ایک کرکے ملنا بھی صحت کے لئے کوئی مفید نہیں۔ ہمارے ایک گلوکار دوست کی خرابی صحت کی وجہ ہی یہ ہے کہ اس کے گانے کی وجہ سے محلے والوں نے اسے دو منزلہ مکان دیا مگر ایک ایک روڑہ کرکے۔ بہرحال ہم سے کوئی پوچھے "تم کیا چاہتے ہو کہ پچاس

سال بعد کیسی دنیا ہو؟" تو ہم کہیں گے "ہم یہی چاہتے ہیں کہ پچاس سال بعد دنیا ہو۔"

○○○

• CLOTHESTROPHOBIA

کوئی پوچھے کہ سفر کے لئے سب سے ضروری کیا چاہیے تو ہم کہیں گے "مسافر" ------ ہمارے جو سفر اور بیمار کو مشورہ نہ دے اس پر ہمیں ترس آتا ہے۔ ظاہر ہے کسی گونگے پر ترس ہی آ سکتا ہے۔ ہم تاشقند جانے لگے تو ایک سیانے نے مشورہ دیا کہ خواتین کے لئے سفر کا ایک ہی اصول ہے کہ ان کے پاس اٹھانے کا سامان کم سے کم ہونا چاہیے جس کے لئے ضروری ہے کہ ساتھ خاوند ہوتا کہ سوٹ کیس اٹھا سکے۔ ہم نے کہا اس اصول سے کچھ وصول کرنا ہمارے لئے مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم شادی شدہ نہیں' دوسری یہ کہ اگر شادی شدہ ہوتے تب بھی ہمارا کوئی خاوند نہ ہوتا۔ ویسے تو ہم نے سفر میں ایک خاتون دیکھی جو خاوند کے ہوتے ہوئے بھی دو بچوں کے بوجھ تلے کراہ رہی تھی۔ ان میں سے ایک بچہ اس نے گود میں اٹھایا ہوا تھا۔ ایک اور سیانے نے ٹپ دی کہ بیرونی ملک جاؤ تو تنہا جاؤ۔ اب پتہ نہیں تنہا سے کیا مراد ہے؟ الطاف حسین حالی ایک بار مولوی محمد یحیٰ تنہا ایڈووکیٹ کی شادی پر گئے' کسی نے کہا یحیٰ صاحب اب آپ اپنا تخلص بدل دیں۔ اب آپ تنہا نہیں رہے تو مولانا الطاف حسین حالی نے کہا "تن ہا" تو یہ اب ہوئے ہیں۔ ایک دانشور نے کہا بیوی بیرون ملک لے جانا ایسے ہی ہے جیسے اپنی فوکسی ساتھ لے جانا۔ ہم نے پوچھا "بیوی اور فوکسی لے جانے میں کیا قباحت ہے؟" کہا "انہیں آپ پارک کہاں کریں گے؟" کچھ لوگ تو بیوی کے بغیر اس لئے سفر کرتے ہیں کہ ہوائی سفر میں وزنی چیزیں ساتھ نہیں لے جانا چاہئیں۔ ہم نے کہا کوئی "کنوارہ" مشورہ دیں۔ کہا "کنوارے کے لئے یہی مشورہ ہے کہ کسی سے مشورہ نہ لے۔" البتہ آرٹ بکوالڈ کے کام سے ہمیں یہ دعا مل گئی کہ جہاز میں سوار ہوتے وقت ضرور با آواز بلند پڑھ لینا "اے خداوند! ہم پر مہربان رہ' ہمارا جہاز اغوا نہ ہو' ہمارا سامان گم نہ ہو۔ ہمارے پاس اجازت نامے

سے زیادہ بوجھ ہو تو کوئی گرفت نہ کرے۔" اسلام آباد سے جب ہم PK-261 میں سوار ہوئے تو یہ دعا اچھی طرح یاد نہ آئی البتہ تاشقند اترتے ہوئے یہ بری طرح یاد آئی۔ کیونکہ ہمارے ساتھی ڈاکٹر طاہر اسلم گورا صاحب کا کپڑوں والا سوٹ کیس تاشقند نہیں پہنچ سکا تھا۔ شکر کیا کہ فوکر نہیں تھا ورنہ صرف سامان ہی پہنچتا۔ کیونکہ سنا ہے سامان زیادہ ہو جائے تو وہ اسے بذریعہ ویگن فوکر کے پیچھے روانہ کر دیتے ہیں۔ فوکر میں سوار رہنے والے مسافروں کو ایئر ہوسٹس خدا حافظ کہتی ہیں البتہ اترنے والوں کو خوش آمدید کہتی ہیں۔ فوکر بائی انجن ہوتا ہے جبکہ دوسرے طیارے ٹرائی انجن ہوتے ہیں۔ یعنی ایک انجن بند ہو تو دوسرے کو ٹرائی کرتے ہیں۔ ہم نے تاشقند میں پی آئی اے کے دفتر سے رابطہ کیا لیکن بندہ ہمیشہ وہی پاتا ہے جسے وہ ڈھونڈنے نہیں نکلتا۔

پی آئی اے بڑی باجمال سروس تھی اب باکمال سروس ہے۔ عملہ جس مسافر کے ساتھ اچھے طریقے سے پیش آئے وہ گھبرا جاتا ہے کہ انہیں کہیں مجھ پر شک تو نہیں ہو گیا۔ طیارے کا کرو بڑا کرو ہوتا ہے۔ جیسے Goa وے ایئر لائنز ایسی ہے کہ مسافر اسے Goa Way Airlines نہیں کہتے بلکہ Go Away Airlines کہتے ہیں۔ پی آئی اے والے تو اتنے باکمال ہیں کہ بندہ چند گھنٹے طیارے پر سوار رہتا ہے اور یہ کئی دن بندے پر سوار رہتے ہیں البتہ ہمیں اتنا علم ہے کہ وہ چیزیں گم نہیں کرتے۔ ہم نے خود ایک بار ایسا اعلان سنا تھا "ایک مسافر کا پی آئی اے کی فلائیٹ پی کے میں آلہ سماعت رہ گیا ہے جس صاحب کا ہو وہ اگر یہ اعلان سن رہا ہو تو استقبالیہ کاؤنٹر سے رابطہ قائم کرے۔" یہ ہو سکتا ہے پی آئی اے والوں نے سوچا ہو کہاں غیر ملک میں اتنا بھاری سوٹ کیس اٹھائے پھریں گے سو واپسی پر اسلام آباد سے لے لیں۔ ہم مانتے ہیں "فار ڈیلائٹ' ٹریول لائٹ" لیکن سیانے یہ بھی کہتے ہیں مسافر کا سب سے بھاری سامان اس کی خالی جیب ہوتی ہے۔ لیکن ڈاکٹر طاہر اسلم گورا کے سوٹ کیس میں تو وہاں پہننے کے لئے کپڑے تھے۔ ہو سکتا ہے پی آئی اے والوں کو Clothestrophobia

ہو یہ بھی ہو سکتا ہے وہ سمجھ رہے ہوں وہاں مغربی ماحول ہو گا کپڑوں کی کیا ضرورت۔ جیسے امریکی صحافی جان گینھیز نے روس کے حصے سے پہلے ایک بار لکھا تھا "روس وہ ملک ہے جس کے کسی حصے ہونے سے پہلے ایک بار لکھا تھا' روس وہ ملک ہے جس کے کسی حصے میں بھی سڑک سے مارلن منرویوں گزرے اور اس نے کچھ نہ پہن رکھا ہوا سوائے جوتوں کے۔ تو وہاں کے باشندے جو چیز سب سے پہلے گھور کر دیکھیں گے وہ اس کے جوتے ہوں گے۔"

ہو سکتا ہے آئندہ تاشقند جانے والوں کو پہلے سے ہی بتا دیا جائے کہ کپڑے لے جانا آپ کے لئے ٹھیک نہیں۔ جیسے ایک شخص نے ٹرین کے سفر کے دوران کھڑکی سے باہر جھانکا' لڑکی نظر آئی۔ بعد میں اس شخص کا لڑکی طرف اتنا جھکاؤ ہوا کہ اس سے شادی کر لی۔ تب سے ریلوے والے یہ وارننگ لکھ کر لگانے لگے ہیں کہ کھڑکیوں سے باہر آپ کا جھکاؤ آپ کے لئے خطرناک ہو سکتا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ پی آئی اے اور ترقی کرے گا۔ جیسے پیلو مودی نے بھارت کے وزیر ریلوے جعفر شریف کو ایک بار خط لکھا "آپ کو یاد ہو گا میں نے پہلے آپ کو ایک خط میں لکھا تھا کہ جے پور سے دہلی جاتے ہوئے میرے ایئر کنڈیشن کمپارٹمنٹ کا دو کاکروچ نظر آئے آپ کو مبارک ہو آپ نے بہت ترقی کر لی ہے اس مرتبہ میں نے سفر کیا تو وہ چار تھے۔"

○○○

• گھوڑے بگھوڑے

لیجئے صاحب اب پاکستان میں گھوڑے بگھوڑے ہونے لگے۔ وفاقی حکومت کی طرف سے جاری اعداد و شمار کے مطابق پاکستان میں گدھوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

91-1990ء میں 34 لاکھ گدھے تھے جب کہ ہماری گدھا پروری کے باعث یہ تعداد 94-1993ء میں 39 لاکھ ہو گئی ہے۔ جہاں تک گھڑ شماری کا تعلق ہے۔ 92-1991ء میں گھوڑے پچاس لاکھ تھے۔ 94-1993ء میں یہ تعداد چالیس لاکھ رہ گئی ہے۔ ہم گھوڑوں کی تعداد میں کمی کے بارے میں کوئی حتمی رائے اس لئے نہیں دے سکتے کہ ہمیں اسمبلی گئے مدت ہوئی۔ گدھوں کی تعداد میں اضافے پر بھی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ ایک عرصے سے ہمارا سرکاری دفتر سے رابطہ نہیں ہاں اتنا پتہ ہے کہ اگر امریکہ میں گدھوں کی تعداد میں اتنا اضافہ ہو جاتا تو ری پبلکن پارٹی اگلی مرتبہ جیتنے کی پوزیشن میں آ جاتی۔
گدھوں کے بارے میں ہم اتنا ہی جانتے ہیں جتنا وہ ہمارے بارے میں جانتے ہیں۔ تمام گدھے بنیادی طور پر گدھے ہوتے ہیں۔ گدھا ہمیشہ لیٹ کر سوتا ہے۔ اس لئے کہتے ہیں جو سوتا ہے وہ "کھوتا" ہے۔ میرا دوست "ف" کہتا ہے "میں گدھے کی طرح کام کرتا ہوں پھر بھی مجھے ابھی تک ترقی نہیں ملی۔" حالانکہ اسے اسی لئے ابھی تک ترقی نہیں ملی کہ وہ گدھے کی طرح کرتا ہے۔ گدھے دو قسم کے ہوتے ہیں دو ٹانگوں والے اور چار ٹانگوں والے' اگرچہ واضح نہیں کیا گیا کہ کون سے گدھے زیادہ ہوتے ہیں۔ گدھوں کی اہم خوبیاں یہ ہیں کہ سگریٹ نہیں پیتے' جھوٹ نہیں بولتے اور شاعری بھی نہیں کرتے۔ امریکہ میں تو ملک کا سب سے اہم کام یعنی صدر کا انتخاب گدھے پر لگی مہریں گن کر کیا جاتا ہے جبکہ ہمارے ہاں گدھا صرف دوسروں کو گالی دینے کے کام آتا ہے۔ شادی پر ہم گھوڑوں پر بیٹھتے ہیں۔ گدھے پر اس لئے نہیں بیٹھتے کہ

لڑکی والوں کو دولہا پہچاننے میں دشواری نہ ہو۔ گھوڑے پر بیٹھ کر بھی احتیاطاً دولہے کو سہرا باندھ دیا جاتا ہے۔" ان فلیمنگ کہتا ہے گھوڑا وہ شے ہے جو دونوں سروں سے خطرناک اور درمیان سے بے آرام ہوتا ہے۔ گھوڑے ہر زبان میں ہنہنا سکتے ہیں لیکن چارلس دی ایمپرر نے کہا ہے میں خدا سے ہسپانوی، عورتوں سے اطالوی، مردوں سے فرانسیسی اور گھوڑوں سے جرمن زبان میں گفتگو کرتا ہوں۔ یہ بات انہوں نے ایک صحافی سے جرمن زیادہ میں گفتگو کرتے ہوئے کہی۔

گھوڑوں کی دانش کا تو سب کو پتہ ہے۔ ریس میں 20 گھوڑے ہیں تو لاکھوں انسان انہیں دیکھنے نکل پڑتے ہیں جب کہ 20 بندے دوڑیں تو ایک بھی گھوڑا انہیں دیکھنے نہیں آتا۔ دنیا میں "گھڑ دوڑ" کا آغاز 1994ء میں ہوا جب امریکن سینیٹر میٹرولیم جو ری پبلکن پارٹی 50 ڈیلیکیٹس کو پارٹی کنونشن میں لیڈ کر رہا تھا، اس نے مطالبہ کیا کہ ہمیں کیبنٹ ممبر کی ایک سیٹ، ایک سپریم کورٹ کے جج کی سیٹ اور ایک پالیسی ساز ادارے کی سیٹ چاہیے۔ اگر یہ سیٹیں نہ دی گئیں تو ہم اپنے 50 ووٹ نہیں دیں گے۔

ہمارے ہاں گھوڑے حکومتیں بنانے اور گرانے کا کام کرتے ہیں۔ گھوڑے اور رکن اسمبلی میں یہ فرق ہے کہ گھوڑا رکن اسمبلی نہیں بن سکتا جب کہ رکن اسمبلی کسی وقت بھی گھوڑا بن سکتا ہے۔ تاریخ میں ایک گھوڑے کا ذکر ہے جو سینٹ کا ممبر رہا یہ اطالوی آمر اور شہنشاہ کا لیگولا کا گھوڑا تھا جسے انہوں نے اطالوی سینٹ کا ممبر بنا دیا تھا۔ کسی نے کہا گھوڑے کو ایسا عہدہ نہیں دینا چاہیے وہ کسی کے ساتھ انصاف کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو جواب ملا یہ سچ ہے مگر یہ بھی سچ ہے کہ گھوڑا کسی کے ہاتھ ناانصافی کرنے کی صلاحیت بھی ہیں رکھتا۔

ہم تو گھوڑے کے ذکر کے بغیر اپنے بزرگوں کی تعریف بھی نہیں کر سکتے۔ "شکوہ" میں علامہ اقبال لکھتے ہیں:

بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

موسیقی پر بھی گھوڑوں کا بڑا احسان ہے۔ شادی بیاہ پر "گھوڑیاں" گانے کی رسم اب بھی ہے۔ ان حالات میں اگر گھوڑے اسی طرح ہر سال کم ہوتے رہے اور گدھے بڑھتے رہے تو ایک دن ایسا آئے گا کہ ہم جس طرف دیکھیں گے ہمیں نرے گدھے ہی نظر آئیں گے' ہم شیشہ تک نہ دیکھ سکیں گے۔ اس لئے اخبارات کو چاہیے کہ آج سے گھوڑوں کے خلاف لکھنا بند کر دیں اور اسمبلی میں گھوڑوں کو ناپسندیدگی کی نظر سے نہ دیکھیں ورنہ ایک دن ان گھوڑوں کی جگہ بھی گدھے لے لیں گے۔

○○○

• سر تاج کستان

ہم تو ہمیشہ سے اس حق میں ہیں کہ مردوں کو بھی عورتوں کے برابر حقوق ملنے چاہئیں کیونکہ سارے مرد بے وقوف نہیں ہوتے۔ ان میں کچھ کنوارے بھی ہوتے ہیں البتہ خاوند دنیا میں ہر جگہ ایک جیسے ہوتے ہیں۔ بس ان کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں تا کہ اپنا اپنا خاوند پہچاننے میں آسانی ہو لیکن تاجکستان کی خواتین کے وفد کی قائد یونیورسٹی کی استاد میں صنعات عثمانوائے کا بیان پڑھ کر تو لگا تاجکستان کے خاوند' کچھ زیادہ ہی خاوند ہوتے ہیں۔ وہ کہتی ہیں وہاں کا خاوند مار تو کھا سکتا ہے مگر بیوی کو مار نہیں سکتا۔ یہ کچھ کرنے پر اسے جیل کی سزا ملتی ہے۔

صاحب تاجک وسط ایشیا کے اتنے پرانے باشندے ہیں کہ لفظ پرانا بھی اتنا پرانا نہیں' چار سو سال قبل مسیح میں اسے علاقے پر چالیس قبائل آباد تھے جن کے سردار نہایت حسین و جمیل لیکن بے حد جنگجو خواتین ہوتی تھیں' آج کل ان خواتین کو بیویاں کہتے ہیں۔ تاجکستان میں آج کل دو طرح کے لوگ رہتے ہیں۔ ایک وہ عورتیں اور دوسرے وہ جو عورتیں نہیں ہیں۔ وہاں آپ کو ہر طرف عورتیں ہی نظر آئیں گی جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہاں ہر طرف عورتیں ہی ہوتی ہیں اور دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آپ پاکستانی ہیں' بہرحال وہاں ایک مرد کے مقابل میں آٹھ عورتیں ہیں۔ گوربا چوف جو پہلے دنیا میں گربہ چوف پھر غوربا چوف اور اب غرباء چوف ہیں۔ آج کل گلاسنا سٹیلیجیا میں مبتلا ہیں۔ جب انہوں نے گلاسناسٹ کی ابتداء کی جس کا مطلب تھا کہ جو کہنا چاہتے ہو' کہو ان دنوں ہم نے وہاں کے ایک دانشور سے پوچھا " گلاسناسٹ کے بعد آپ سارا دن کیا کہتے رہتے ہیں؟" فرمایا "میں تو یہی کہتا ہوں جو کہنا چاہتے ہو کہو۔" پہلے تاجکستان میں حکومت بیوی کی طرح لگتی تھی اب وہاں بیوی حکومت لگنے لگی ہے۔ یہ حالت ہے کہ ایک تاجک خاتون ہمسائی کے گھر بیلن لینے آئی تو ہمسائی کے بچے

نے کہا "میرے والد گھر پر نہیں ہیں۔" ہمسائی نے پوچھا "اس سے تمہارے باپ کا کیا تعلق ہے؟" کہا "جب سے میری ماں گلاسناسٹ پر عمل کرنے لگی ہے۔ ماں باپ میں جھگڑا ہوتا ہے اور باپ اکثر بیلن چھپا دیتا ہے اور میری امی ڈھونڈتی رہتی ہے۔" پاکستان میں محترمہ بے نظیر بھٹو کے وزیراعظم بننے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں عورت کی حکمرانی قبول ہے لیکن جب ہم نے ایک تاجک طالب علم سے پوچھا کہ تمہیں عورت کی حکمرانی قبول ہے تو وہ بولا "نہیں میں تو ابھی تک غیر شادی شدہ ہوں۔"

مرد کو شادی کے بعد مرد نہیں خاوند کہتے ہیں۔ ازبکستان کے مزاح نگار سعید احمد لکھتے ہیں' ہمارے ایک دوست کی بیوی نے پوچھا "آپ مرد یہ مونچھیں کیوں رکھتے ہیں؟" کہا "یہ مردانگی کی علامت ہیں۔" بولیں "اسی لئے شادی شدہ مرد اکثر کلین شیو ہوتے ہیں۔" وہاں کی عورتوں کی شکلیں اور مشکلیں ایک جیسی ہوتی ہیں۔ وہ مشکل کو ہی مہ شکل سمجھتی ہیں کیونکہ وہی ہر کام کرتی نظر آتی ہیں۔ ہم نے ایک مزدور عورت سے پوچھا "آپ کے مرد کہاں ملتے ہیں؟" کہا "واڈکا کی کسی خالی بوتل کے پاس۔" طلاق اور تیزاب کا داغ تو ہر چہرے پر مستقل نشان چھوڑ جاتا ہے وہاں عورتیں اتنی خوبصورت ہیں کہ وہاں بدصورت عورت کو جس نام سے پکارا جاتا ہے' وہ ہے ٹورسٹ۔ وہاں سو فیصد لوگ پڑھے لکھے ہوتے ہیں۔ یوں وہاں تو جاہل بھی پڑھے لکھے ہوتے ہیں۔ وہاں خاوند بیوی کو پیٹے تو اسے قید کی سزا ہو جاتی ہے۔ ایسے ایک خاوند کو 5 سال قید ہوئی لیکن وہ بضد تھا کہ میں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔ اگر جرم نہ کیا ہوتا تو تمہیں دس سال قید ہوتی۔ منگائی اتنی کہ ایک زمانہ تھا' لوگ لاکھ پتی ہونے کی خواہش کرتے تھے۔ اب تو وہاں کوئی لاکھ پتی خاوند اپنی بیوی کے ساتھ اس کے کپڑے خریدنے بازار چلا جائے تو واپسی پر نرا پتی رہ جاتا ہے۔ آزادی کے بعد کی بات ہے' ایک خاتون بازار سے بیلن خرید کر لائی تو خاوند نے کہا' گھر میں کھانے کو کچھ نہیں اور تم اسلحہ خرید لائی ہو۔ وہاں کی خواتین اتنی صحت مند ہوتی ہیں کہ ویمن پولیس سے مراد وی (20)

من پولیس لگتی ہے۔ گئے گزرے دور میں کے جی بی بھی شادی شدہ لوگوں کو ملازم رکھنے میں دوسروں پر ترجیح دیتی جس کی وجہ یہ بتائی جاتی کہ یہ پہلے سے ہی سدھائے

ہوئے ہوتے ہیں۔
برنارڈشا نے کہا ہے عورتیں مردوں سے زیادہ ہوشیار ہوتی ہیں کیونکہ کم جاننے کے باوجود وہ سمجھتی زیادہ ہیں لیکن اگر آپ تاجکستان میں کسی خوبصورت' ذہین اور مالدار خاتون سے شادی کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو وہاں دو عورتوں سے شادی کرنا پڑے گی البتہ اگر آپ پاکستان میں کسی ایسی خاتون سے شادی کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو تین عورتوں سے شادی کرنا پڑے گی۔ کیف جو کبھی پر کیف اور روس کا دارالخلافہ ہوتا تھا' وہاں کے حکمران جو لاڈی میر کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کی آٹھ سو بیگمات ہونے کی وجہ ایک مورکھ (مورخ) یہ لکھتا ہے کہ ولاڈی میر کو آٹھ سو سے اوپر گنتی نہ آتی تھی۔ اب تو وہاں ایک شادی بھی اسی لئے کرتے ہیں کہ ایک سے کم شادی ہو نہیں سکتی۔ انڈونیشیا میں تو کوئی وزیر دوسری شادی کر لے تو اسے وزارت سے ہٹا دیا جاتا ہے۔ وزیر اسی ڈر سے پہلی شادی نہیں کرتے جس کی وجہ ایک سابق وزیر نے یہ بتائی' دوسری شادی کا ڈر صرف انہیں ہوتا ہے جو پہلی شادی کر چکے ہوں۔ وہاں حزب اختلاف کو یقیناً حکومت گرانے کے لئے ہارس ٹریڈنگ کی بجائے میرج ٹریڈنگ کرنا پڑتی ہو گی۔ ہم نے کسی سے سنا تھا' ایک ملک میں دو حکمران نہیں ہو سکتے اس پر ہمارے ایک شاعر دوست نے کہا' ہو کیوں نہیں سکتے۔ میری اپنی دو بیویاں ہیں۔ بہرحال کوئی پوچھے کہ امریکہ میں خاوندوں نے خود کو ان مشکلات سے نکالنے کے لئے کیا کیا تو جو اب ہو گا' وکیل کیا۔ ہم سمجھتے تھے ابھی تک کوئی ایسی مشین نہیں بنی جو خاوند کو بیویوں سے پٹنے اور دوسری مشکلات سے بچا سکے لیکن تازہ ترین اطلاع کے مطابق امریکہ میں ایسی مشین تاجکستان پہنچ چکی ہے اور وہ مشین ہے "ڈالر"

• فلم + بر + داشتہ

ایک انگریزی اخبار کے سروے رپورٹ کے مطابق 90 فیصد انگریزی فلمیں وہ دیکھتے ہیں جو انگریزی بول نہیں سکتے' نہ سمجھ سکتے ہیں۔ شاید اسی لئے پاکستان کے 90 فیصد لوگ اردو فلمیں نہیں دیکھتے کیونکہ وہ انہیں سمجھ آ جاتی ہیں۔ ہم تو فلم دیکھنے میں اکثر دیر کر دیتے ہیں۔ اسی لئے رات کو دیر سے لگنے والی فلمیں ہی دیکھ سکتے ہیں۔ باب ہوپ کہتا ہے انگریزی فلموں سے غیر اخلاقی الفاظ نکال دیئے جائیں تو باقی خاموش فلمیں رہ جاتی ہیں۔ ہم نے بھی ایک بار کسی سے پوچھا "اگر ہماری فلموں سے بڑھکیں نکال دی جائیں تو کیا بچے گا؟" کہا "ٹائم بچے گا۔" بہرحال انگریزی فلمیں اچھی وہی ہوتی ہیں جو لوگ آواز بلند کرکے دیکھتے ہیں۔ ان فلموں کی کامیابی اسی میں پوشیدہ ہے کہ ان فلموں میں کچھ پوشیدہ نہیں۔ وہ خود اکثریت میں اور ان کا لباس اقلیت میں ہوتا ہے۔ پھر بھی یوں چلتی ہیں جیسے مخلوط حکومت چلتی ہے۔

ہم نے ایک بار تحقیق کرکے کہا تھا کہ وہ بیماری جو انسان زمین پر اترتے ہوئے ساتھ لایا' وہ سر درد تھی جس پر اکثر خواتین نے ہم سے احتجاج کیا۔ بہرحال دیکھنے میں سر درد ہماری فلموں جیسا ہوتا ہے۔ ایک بار ایک خاتون ڈاکٹر کے پاس آئی کہ میرے بچے نے سر درد کی بیس گولیاں کھا لی ہیں' کیا کروں تو ڈاکٹر نے کہا' اسے دو پنجابی فلمیں دکھائیں' افاقہ ہو گا۔ کہتے ہیں۔ "All's fear in love and war." ------ فلمی لڑائی اور محبت میں یہ فرق ہوتا ہے کہ اگر ہاتھا پائی دونوں مردوں میں ہو رہی ہو تو یہ لڑائی ہے۔ اگر ہاتھا پائی میں ایک مرد ہے تو یہ محبت ہو رہی ہے۔ دو موقعوں پر انسان کے خواب ٹوٹتے ہیں' ایک جب اس کی دلی خواہش پوری نہ ہو اور دوسری بار تب جب اس کی دلی خواہش پوری ہو جائے۔ ایسے ہی ہمارے ہاں دو قسم کی فلمیں بنائی

جاتی ہیں‘ ایک وہ جو اچھی نہیں ہوتیں اور دوسری وہ جو بری ہوتی ہیں۔

کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے ایک پوسٹ ماسٹر ریٹائر ہوئے۔ ان کی الوداعی تقریب میں کسی نے پوچھا "آپ اپنے تجربے کی روشنی میں ہمیں کوئی ہدایت کرنا چاہیں گے۔" کہا "اس تجربے کی روشنی میں یہی کہنا چاہوں گا کہ میری پنشن بذریعہ ڈاک نہ بھیجنا۔" سو ایسے ہی ایک فلمی ہدایت کار سے ہم نے پوچھا "آپ اپنے تجربے کی روشنی میں کوئی ہدایت کریں گے؟" کہا "نئے فلمی ہدایت کاروں کے لئے یہ ہدایت ہے کہ کسی کو پتہ نہ چلنے دیں کہ آپ کو ہدایت کاری آتی ہے ورنہ کوئی فلمساز آپ کو کام نہ دے گا۔" ایک نئے ہدایت کار سے ہم نے پوچھا "آپ نے کبھی اسٹینڈ لیا؟" کہا "ایک بار سینما کا سٹینڈ ٹھیکے پر لیا تھا۔" ہمارے ہدایت کار تو دیکھنے میں ایسے ہوتے ہیں کہ پہلی نظر میں وہ کار کی ہدایت دینے والے یعنی کار مکینک لگتے ہیں۔ اداکار ہونا ایسا ہے کہ کوئی بھی دعویٰ کرے کہ وہ اداکار ہے تو آپ اسے جھٹلا نہیں سکتے۔ ہم ایک اداکار کو جانتے ہیں جسے فلم میں کوئی چھوٹا موٹا رول نہ ملا تو وہ فلم برداشتہ ہو کر فلمی کہانی نویس ہو گئے۔ اب وہ اسے فلم+بر+داشتہ لکھتے ہیں۔ پچھلے سال پنجاب کلچرل فورم نے ایک فلمی رائٹر کو اس فلم کی کہانی پر ایوارڈ دیا جو فلم اس نے لکھی ہی نہ تھی۔ ہم نے یہی سمجھا شاید انہیں اسی بات پر انعام دیا جا رہا ہے کہ اس نے اس فلم کی کہانی نہیں لکھی۔ کہتے ہیں ماسکو فلم فیسٹیول میں اٹلی کو سائنس فکشن فلم پر‘ امریکہ ایکشن فلم پر اور جاپان کو ہارر فلم بنانے پر ایوارڈ دیا گیا جبکہ پاکستان کو فلم نہ بنانے پر انعام کا حقدار قرار دیا گیا۔ یہ ایسے ہی جیسے ایک اداکار کا نام آج بھی فلموں کی کامیابی کی ضمانت ہے۔ پہلے اس بنا پر فلمیں ہٹ ہو جاتیں کہ کاسٹ میں اس کا نام شامل ہے۔ اب اس بنا پر ہٹ ہوتی ہیں کہ کاسٹ میں اس کا نام نہیں ہے۔

میں نے ایک بار کہا تھا کہ نہ پڑھنے کے لئے کالج سے بہتر جگہ آج تک میں نے نہیں دیکھی تو ایک سیانے نے کہا‘ لگتا ہے آپ کبھی یونیورسٹی نہیں گئے۔ سو ایسے ہی جو

کہتا ہے اردو فلمیں معیاری نہیں ہوتیں ہم اس سے یہ مراد لیتے ہیں کہ وہ انگریزی فلمیں نہیں دیکھتا۔ اگرچہ پاکستانی فلمیں اور امریکی سوسائٹی کو سنجیدگی سے لینے والا بندہ سنجیدہ نہیں ہو سکتا۔ سائنس کہتی ہے' ہر وہ چیز جو جگہ گھیرتی ہے اور وزن رکھتی ہے مادہ کہلاتی ہے۔ فلم انڈسٹری میں اسے ہیروئین کہتے ہیں۔ ہماری فلمی ہیروئین جتنی بڑی ہیں' اتنی بڑی تو ہماری فلم انڈسٹری نہیں۔ ایک ٹی وی پروگرام میں کسی نے پوچھا "ہماری ہیروئین کی زیادہ سے زیادہ عمر کیا ہوتی ہے؟" کہا "50 سال" پوچھا "ان کی کم سے کم عمر کا ہوتی ہے؟" کہا "49 سال" پھر بھی کہتی ہیں' ہمارے "جمیلہ حقوق ہنوز غیر محفوظ" ہیں۔ ان کی Smiles ایسی ہیں کہ آپ S-miles کہہ سکتے ہیں۔ جہاں تک ہیرو کا تعلق ہے تو اسے پہلی بار دیکھو تو اس کے چہرے پر غصہ ہی نظر آتا ہے۔ جب تک غصے سے نہ دیکھو اس کے چہرے پر چہرہ نظر نہیں آتا۔ ہیروئین تو فلم میں اپنا کردار ادا کرتے ہوئے اس قدر کھو جاتی ہے کہ فلمساز کی روزانہ اسے ڈھونڈ کر لانا پڑتا ہے۔ غیر فلمی دنیا میں سب سے زیادہ آنسو پیار اور پیاز کی وجہ سے بہائے جاتے ہیں۔ اب ہماری فلمیں اتنی فاسٹ فارورڈ بنائی جانے لگی ہیں کہ انہیں فاسٹ فارورڈ کے بغیر نہیں دیکھا سکتا۔ انگریزی فلمیں بھی ایسی ہی ہوتی ہیں۔ ان کی فلم "ہاف وے ٹو ہیل" پر ایک مبصر نے لکھا تھا کہ رائٹر نے فاصلہ انڈر ایسٹیمیٹ کیا ہے۔ بہرحال ہمارا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہماری فلمیں اچھی نہیں ہوتیں۔ ایک بار احمد عقیل روبی' ناصر کاظمی کو فلم دکھانے لے گئے۔ ہاف ٹائم کے وقت دیکھا تو ناصر کاظمی موجود نہ تھے۔ ٹی ہاؤس آ کر روبی نے ان سے پوچھا "آپ فلم کے دوران ہی اٹھ آئے' کیا فلم اچھی نہ تھی؟" کہا "فلم اچھی تھی اور میں کسی اچھی چیز کو ختم ہوتا نہیں دیکھ سکتا۔" اسی لئے ہم پاکستانی فلمیں نہیں دیکھتے۔ ویسے پاکستانی فلمیں انگریزی فلموں سے زیادہ بور ہوتی ہیں۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ بور ہوتی ہیں۔ جب پاؤں چلیں اور بندہ وہیں کا وہیں رہے' ایسی کرنے کو ڈانس کرنا کہتے ہیں۔ جب قوم چلتی نظر آئے گی مگر آگے نہ بڑھے تو آپ

کو پتہ چل ہی گیا ہو گا' وہ کیا کر رہی ہوتی ہے۔ کہتے ہیں اگر آغاز اچھا ہے صرف آغاز ہی اچھا ہے البتہ اختتام اچھا ہے تو سب اچھا ہے۔ سو ہماری فلموں کا اینڈ Happy ہونا چاہیے۔ ایک بار ہم سے ایک فلمساز نے کہا کہ ہماری فلم کا کلائمیکس ایسا بنا دیں کہ دیکھنے والے خوش ہو جائیں تو ہم نے کہا' پھر آپ ایسا کریں کہ فلم کا کلائمیکس ایک گھنٹہ پہلے کر دیں۔

○○○

• خاوند اعلیٰ

ہسبنڈ آف دی ائیر کا ایوارڈ اس خاوند کو ملنا چاہیے جو اس سال سب سے زیادہ آف رہا ہو۔ کچھ لوگوں کے خیال میں آصف زرداری یا وزیراعظم تانسو چلر کا خاوند اس ایوارڈ کے حقدار بلکہ مستحق تھے مگر امریکی ہر کام میں آگے میں وہاں ہوٹل اس سال والا ہوتا ہے مگر اس کا کرایہ اگلے سال والا ہوتا ہے بلکہ وہ اتنا آگے ہیں کہ پہلے وہاں کے ہوٹلوں میں ملازمت لینے کے لئے پانچ زبانوں کا جاننا ضروری تھا' اب تو وہاں کمرہ لینے کے لئے پانچ زبانیں جاننا ضروری ہے۔ ہمیں یہ توقع نہ تھی کہ ہسبنڈ آف دی ائیر کا ایوارڈ بھی امریکی لے جائیں گے کیونکہ ان کے ہاں تو ویسے بھی پچھلے سال کے خاوندوں کا ذکر نہیں ہوتا وہ تو آگے کا سوچتے ہیں۔ لیکن 1993ء کے ہسبنڈ آف دی ائیر کا ایوارڈ سی آئی اے کے مطابق سربراہ اور سابق امریکی صدر بش نے حاصل کیا ہے۔ ہو سکتا ہے انہیں یہ انعام اس لئے ملا ہو کہ وہ مسلسل کئی سالوں سے خاوند ہیں۔ کیونکہ وہاں تو یہ حال ہے کہ ایک اداکارہ نے شادی کی سلور جوبلی منائی تو کسی نے کہا کیا ان کی شادی کو پچیس سال ہو گئے؟ کہا "نہیں' یہ ان کی پچیسویں شادی ہے۔" مگر باربرا بش جو دیکھنے میں ہمیں بار بار بش لگتی ہیں اس نے کہا کہ بش کو یہ ایوارڈ ملنا چاہیے تھا کیونکہ پورے ٹیکساس میں ان سے اچھے برتن کوئی نہیں دھوتا۔

امریکی صدر پہلے خاوند ہوتے ہیں' صدر بعد میں بنتے ہیں۔ اگرچہ وہاں زیادہ بیویاں چاہتی ہیں کہ ان کے خاوند ایک اسپیشلسٹ ڈاکٹر ہو' جو انجینئر اور بینک آفیسر بھی ہو۔ البتہ کچھ یہ چاہتی ہیں کہ صدر امریکہ ان کا خاوند ہو۔ چاہتی ہیں ان کا خاوند صدر امریکہ ہو۔ امریکہ میں آج بھی کسی سے پوچھو امریکہ کا صدر کون ہے؟ تو جواب ملے گا ہیلری کا خاوند۔ صدر بش جو اپنے دور اقتدار میں پروٹوکول کا اس قدر خیال رکھتے کہ ایک

فکاہیہ کے بقول کالمسٹ ہر شہری صدر کو پروٹوکول دے یہاں تک کہ کوئی براہ راست صدر کو گولی نہیں مار سکتا' پہلے نائب صدر کوئل کو مارنا پڑے گا۔ لیکن اس دور میں بھی باربرا بش کا رویہ ایسا ہوتا کہ اس کا ذکر کرنا اب "پیٹنگ دی بش" کہلائے گا۔ ان دنوں ایک صحافی نے باربرا بش سے پوچھا کہ گھر میں خاوند کا کیا مقام ہے؟ تو انہوں نے کہا تھا یہ سوال کسی انٹیریئر ڈیکوریٹر سے پوچھیں۔ البتہ باربرا بش جب وائٹ ہاؤس میں تھیں تو انہوں نے اپنی سکیورٹی کے لئے جو انتظام کیا تھا وہ یہ تھا کہ بش کو لیڈی سیکرٹریوں سے دور رکھتی۔ جان ایف کینڈی جو امریکہ کے بڑے کینڈے کے صدر تھے' اتنے ویل ڈریس تھے کہ وہ باتھ روم جانے سے پہلے بھی ٹائی کی ناٹ درست کر لیتے۔ ان دنوں سی آئی اے آدھا وقت انہیں لیڈی سیکرٹریوں سے دور رکھتی باقی آدھا وقت لیڈی سیکرٹریوں کو ان سے دور رکھتی۔

ملکہ برطانیہ کے شوہر فلپ کا کہنا ہے خاندانی مسائل حل کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ انہیں حل کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ بہرحال باربرا اور بش کی خوشگوار زندگی کا راز یہ ہے کہ بش اس کے برتن اور باربرا اس کی طبیعت منٹوں میں صاف کر دیتی ہے۔ باربرا نے ایک تقریب میں کہا کہ میں نے برتن صاف کرنے کے لئے تمام پاؤڈر استعمال کرکے دیکھ لئے مگر خاوند سے بہتر کسی کو نہیں پایا۔ شاید بش اس لئے اچھے برتن صاف کرتے ہیں کہ ان کے ہاتھ بڑے لمبے ہیں۔ ہمارے ہاں بھی اقتدار میں لمبے ہاتھ والا اور اس کا ملازم شارٹ ہینڈ والا ہوتا ہے۔ ویسے شارٹ ہینڈ کی ایک استاد نے یوں تعریف کی ہے کہ حالی نے مسدس چار برس میں لکھی اور اگر وہ شارٹ ہینڈ کے ماہر ہوتے تو اس نظم کو لکھنے میں زیادہ سے زیادہ آدھ گھنٹہ صرف کرتے۔

ایک بیوی کے حل ہونے سے آپ کے حل ہونے والے مسائل آدھے رہ جاتے' دو ہوں تو باقی آدھے مسائل بھی رہ جاتے ہیں۔ لیکن اب پتہ چلا کہ امریکی ایک سے زیادہ شادیاں کیوں نہیں کرتے۔ بش جیسا ایک مریض میرے پاس آیا۔ ان دنوں میں میوہسپتال سائیکاٹری وارڈ میں ڈاکٹر تھا۔ مریض نے کہا مجھے ہر رات یہی خواب آتا ہے کہ میری

سات بیویاں ہیں۔ صبح اٹھتا ہوں تو تھکا تھکا ہوتا ہوں بہت پریشانی ہے۔ پوچھا "اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟" بولا "آپ کو سات بندوں کے برتن دھونے پڑیں تو پتہ چلے۔"

صدر بش تو شروع ہی سے بیویوں میں بہت مقبول رہے ہیں۔ خلیج کی جنگ کے موقع پر ایک فوجی کی بیوی نے صدر بش سے کہا تھا۔ "اللہ کرے آپ کو میری خاوند کی عمر لگ جائے اور وہ مر چکے ہیں۔"

ہو سکتا ہے برتن دھونا صدر بش کا کام نہ ہو مشغلہ ہو۔ ہمارے سابق صدر تو کچھ نہ کرنے میں اتنے مصروف ہوتے ہیں کہ کچھ اور نہ کرنے کا ٹائم ہی نہیں ملتا۔ ایک افریقی ملک کے سابق سربراہ کا مشغلہ پورٹریٹ اتارنا تھا اور وہ ایک مغربی ملک کے عجائب گھر میں پورٹریٹ اتارتا پکڑا بھی گیا تھا۔ کچھ لوگ اس پر حیران بھی ہوئے ہیں کہ اگر برتن صاف کرنے پر ہی ایوارڈ ملنا تھا تو یہ "زنانہ ایوارڈ" ہوا۔ لیکن خلیج کی جنگ میں بش کے کردار سے واقف لوگ انہیں یہ ایوارڈ ملنے پر حیران نہیں ہوئے' کسی نے پوچھا تھا "روسی فوج کئی سال افغانستان میں کیا کرتی رہی؟" جواب ملا "اس شخص کو تلاش کرتی رہی جس نے انہیں وہاں آنے کی دعوت دی تھی۔" سو کوئی پوچھے کہ سابق صدر بش آج کل کیا کر رہے ہیں؟ تو صاحب آج کل وہ اس ایوارڈ دینے والے کو ڈھونڈ رہے ہیں۔

○○○

• ہیٹی کی ہیٹی

صاحب! امریکی "عجیب و امیر" قوم ہیں۔ کئی سو برس پہلے امریکہ کولمبس نے دریافت کیا تھا' لیکن امریکی ابھی تک یہ دریافت کرنے میں لگے ہوئے ہیں کہ کولمبس کون تھا؟ ایسے ہی ہیٹی کا مسئلہ حل ہو گیا مگر امریکی ابھی اس پر تحقیق کرنے میں لگے ہوئے ہیں کہ آخر صدر کلنٹن نے رات گئے ہیٹی پر حملہ کرنے کا اعلان کر کے کچھ ہی دیر بعد اپنا فیصلہ بدل کیوں دیا تھا۔ یہاں تک کہ سی آئی اے بھی ابھی تک وجہ معلوم نہیں کر سکی۔ حالانکہ وہ ہر بات کا منٹ میں پتہ چلا لیتی ہے۔ ہیٹی میں جب کئی شہریوں کا قتل ہوا تو سی آئی اے کے ایجنٹ نے کہا "ہم نے چند منٹوں میں ہی اصل واقعہ اور مجرموں کا پتہ چلا لیا ہے۔" پوچھا "کون ہیں؟" کہا "چند نامعلوم افراد ایک نامعلوم کار میں آئے اور آٹھ دس نامعلوم شہریوں کو قتل کرکے نامعلوم مقام کی طرف چلے گئے۔"

صاحب! 1989ء میں جب چند ماہ کے لئے جان میجر فارن سیکرٹری بنے تو کسی نے ان سے پوچھا "موغا دیشو کدھر ہے؟" تو انہوں نے کہا " میرے پاس تو نہیں ہے' میرے پی اے سے پوچھ لیں' شاید اس نے کہیں رکھا ہو۔" یہی حال کلنٹن کا صدر بننے تک تھا۔ وہ تو وزیر خارجہ سے مراد بھی وہ وزیر لیتے' جسے خارج کر دیا گیا ہو۔ اس لئے ہر سوال کا جواب ہیلری سے پوچھ کر دیتے' یہاں تک کہ شروع میں کوئی ان کے والد کا نام پوچھتا تو ہیلری کی طرف دیکھنے لگتے۔ ہم نے ایک امریکی دوست سے امریکی صدور کی تصویریں دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تو اس نے ہمیں جو تصویریں دکھائیں' وہ سب عورتوں کی تھیں۔ ہم نے پڑھا تھا کہ امریکہ میں آج تک کوئی خاتون صدر نہیں بن سکی۔ سو ہم نے پوچھا "یہ خواتین کون ہیں؟" کہا "امریکہ کی سابق صدور" ہم نے سوچا شاید سابقہ صدور سے مراد یہ ہو کہ ان کا صدور سے سابقہ رہا ہے۔ سو ہم نے

کہا "آج کل تو امریکہ کا صدر مرد ہے' اس کی تصویر کہاں ہے؟" بولے "آپ مسٹر ہیلری کلنٹن کی بات کر رہے ہیں۔ ہیلری نے امریکہ کی تاریخ پر بڑے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ جن میں بیشتر اس کی لپ اسٹک کے ہیں۔ وہ بڑی اچھی وکیل ہیں۔ کہتے ہیں جو کیس اس کے پاس آ جائے' اسے اگر کوئی سزا ہو بھی تو سالوں میں نہ ہو گی' مہینوں میں ہو گی۔ وکالت کے ابتدائی دنوں میں اس نے ایک مجرم کو 60 ماہ سزا دلوائی ۔ ہیلری کو ایک پیدائشی بیماری لاحق ہے' جس کی وجہ سے ہر سال اس کی عمر میں ایک سال کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ ہیلری سے کسی نے عمر کا پوچھا تو وہ بولی' میں چاہتے ہوئے بھی کہ یہ بتا سکوں' نہیں بتا سکتی کیونکہ میری ہر عمر لحہ بدلتی رہتی ہے۔ کلنٹن ہر کام ہیلری کی مرضی سے کرتا ہے۔ اس نے اپنی شادی تک ہیلری کی مرضی سے کی۔ ان حالات میں تو ہم یہی کہہ سکتے ہیں صدر کلنٹن نے آدھی رات کو ہیٹی پر حملے کا اعلان کرنے کے بعد ہیلری سے اس کی اجازت مانگی ہو گی جو نہ ملی ہو گی۔ آدھی رات کے بعد تو ہیلری اسے کمرے سے باہر جانے کی اجازت نہیں دیتی۔ ویسے بھی امریکی جو کہتے ہیں' وہ کرتے نہیں اور جو کرتے ہیں وہ کہتے نہیں' ان کی اپنی گلی میں کوئی پکار رہا ہو تو اپنے گھر سے نہیں نکلیں گے۔ اگر گھر سے نکلیں گے تو یقین کر لیں' یہ ان کا اپنا گھر نہیں ہو گا۔ لیکن اس کے شہری جمہوریت کی خاطر سمندر پار کر سکتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اپنے قومی الیکشن میں ووٹ ڈالنے کے لئے سڑک پار نہیں کر سکتے۔ ہیٹی کے جلا وطن صدر ارسٹیڈ جتنی دیر وائٹ ہاؤس میں رہے' وہ پہلے کلنٹن کو بتاتے کہ وہ کیا کہنا چاہ رہے ہیں' پھر کہتے اور بعد میں یہ بتاتے کہ کیا کہا ہے ------ ہو سکتا ہے انہوں نے ہیٹی کی ہیٹی کا بتا دیا ہو' مگر کلنٹن کو یہ نہ بتایا ہو کہ ہیٹی واقع کہاں ہے؟ یہ بھی ممکن ہے کہ کلنٹن نے حملے کر کے اسے فتح کرنے سے کہیں مشکل حملے سے پہلے اسے ڈھونڈنا ہے' جیسے ہمارے ایک کالم نگار ادیب بال بنوانے حجام کے پاس گئے' اس نے بعد میں پیسے مانگے تو ادیب بولے "اتنے سارے پیسے میرے بال کاٹنے کے ہیں؟" تو حجام نے کہا "نہیں بال کاٹنے کے تو میں نے لئے ہی

نہیں' یہ تو آپ کے بال ڈھونڈنے کے لے رہا ہوں۔" براعظم امریکہ میں ہیٹی وہ جگہ ہے جہاں 502 سال قبل کولمبس نے ہٹ بنائی اور ہٹ ہو گیا۔ ہیٹی کے بارے میں ایک امریکی اداکارہ نے کہا ہے کہ ہیٹی تو میری کمر جتنا ہے۔ ہماری پشتوں فلموں کی اداکارہ ہوتی تو کہتی "میری کمر ہیٹی جتنی ہے۔" کیونکہ ہماری پشتو فلموں کی کسی اداکارہ کی تصویر کے نیچے لکھا ہو "ایک فلمی ایکٹر کی تصویر" تو دیکھنے والے اسے پڑھتے ہیں ایک فلمی "ایکٹر" کی تصویر جو ملک ہیٹی میں کافی کے سوا سب ناکافی ہے۔ باشندے بھی کافی کلر کے ہیں' اسی لئے وہاں فوجی کہتے ہیں امریکہ یا کسی آمر نے ہمیں بلیک میل نہیں کیا' ہم کو تو اللہ نے بلیک میل بنایا ہے۔ وہاں کی فوج اتنی کم ہے کہ امریکہ کو ہی نہیں' خود ہیٹی کے فوجی حکمرانوں کو اسے ڈھونڈنا پڑتا ہے۔ لیکن وہاں کوئی جرنیل کہے کہ ہماری فوج کیل کانٹے سے لیکس ہے تو اس میں ذرا مبالغہ نہ ہو گا۔ واقعی ان کی فوج کیلوں اور کانٹوں سے لیس ہوتی ہے۔ ان کی فوج کا سالانہ بجٹ اتنا ہے جتنا پینٹاگون کا دودھ کا مہینے کا خرچہ۔ ہیٹی میں ہر فوجی کو 1500 گولیاں دی جاتی ہیں مگر یوں جیسے گولیاں فوجیوں کو اپنی اور ملک کی حفاظت کے لئے نہیں دی جا رہیں بلکہ گولیوں کی حفاظت کرنے کے لئے فوجی رکھے ہوئے ہیں۔ جبکہ امریکہ نے تو سنا ہے' ایسی مشین بنا لی ہے جو ایک ہزار فوجیوں جتنا کام کرتی ہے یہ تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ سوچتی ہو۔ ویسے امریکہ کسی دوسرے ملک پر حملہ کرنا بھی نہیں چاہتا۔ وہ چاہتا ہے کوئی دوسرا ملک خود پر مجھ سے حملہ کروائے۔ پاکستان وہ ملک ہے جس کا یہاں گزر نہیں ہوتا' اس کا دنیا کے کسی بھی ملک میں گزر ہو سکتا ہے اور امریکہ ہم سے بہتر صرف اس لئے ہے کہ اسے "امریکی امداد" نہیں لینا پڑی۔ امریکہ نے ہمیشہ وہ جنگیں جیتیں جو اس نے لڑی نہیں۔ ویسے بھی جنگ اتنی معمولی چیز نہیں کہ اسے فوجیوں پر چھوڑ دیا جائے۔ امریکہ کو پتہ ہے جب دو ملک آپس میں لڑتے ہیں تو اس میں جیت ہمیشہ تیسرے کی ہوتی ہے۔ عام جنگ جیتنے کے طریقے کا تو پتہ نہیں' البتہ ایٹمی جنگ جیتنے کا طریقہ یہ

ہے کہ جنگ شروع ہی نہ ہو' ویسے یہ بھی ممکن ہے کلنٹن نے حملے کا ارادہ اس لئے ملتوی کر دیا ہو کہ اسے حملے کرنے کی وجہ سمجھ نہ آئی ہو۔ اس سے تو ہمارے مسلم لیگ نون کے الف نون ہی زیادہ مرد نکلے۔ ان سے کسی نے پوچھا آپ جو ہڑتال کروا رہے ہیں' اس کی وجہ کا بھی تو پتہ چلنا چاہیے تو انھوں نے کہا' جب تک وجہ کا پتہ نہیں چل جاتا ہڑتال جاری رہے گی۔"

○○○

- **تن خواہ**

ہر چیز میں کوئی نہ کوئی خوبی ضرور ہوتی ہے جیسے رانگ نمبر میں یہ خوبی ہے کہ یہ کبھی بیزی نہیں ملتا۔ فلموں میں ہیروئینوں کے موٹے ہونے کا یہ فائدہ ہے کہ کمزور نظر والے حضرات بھی فلم دیکھ سکتے ہیں۔ ایسے ہی پولیس والوں کی بڑھتی توندوں میں یہ خوبی تو ہے کہ چلو پولیس والے جو کھاتے ہیں وہ ان کے سامنے تو ہوتا ہے۔ یوں بھی وہ زبان ہی کیا جو منہ سے باہر نہ آئی اور وہ پیٹ کیا جو پیٹی میں آ گیا۔ ہمارے ہاں اتنے موٹے پولیس والے نہیں ہوتے جتنے پولیس والے موٹے ہوتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر یہ نہیں لگتا کہ ان کو بھی پیٹ لگا ہوا ہے بلکہ یہی لگتا ہے کہ پیٹ کو لگے ہوئے ہیں لیکن حکومت نے ان پیٹوں کو ناجائزات تجاوزات قرار دے کر نوٹیفکیشن جاری کیا ہے۔ اگر 28 فروری تک پولیس افسروں نے توندیں کم نہ کیں تو پھر ان کی تنخواہ سے جرمانہ کٹنا شروع ہو جائے گا۔ گویا تنخواہ بھی تن خواہ نہیں رہے گی۔ لگتا ہے حکومت ایسی پولیس چاہتی ہے جو پیٹ کی ہلکی ہو ورنہ اگر وزن کم کرانا مقصود ہوتا تو یہ کونسا مشکل تھا۔ پولیس والے تو نہا لیں تو ان کا آدھ پاؤنڈ وزن کم ہو جاتا ہے۔

موٹے کبھی ناامید نہیں لگتے ہمیشہ امید سے لگتے ہیں۔ سارے پولیس والے موٹے نہیں ہوتے کچھ بہت موٹے بھی ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں جو مولوی اور تھانیدار موٹا نہ ہو سمجھ لیں اسے اپنے پیشے میں دلچسپی نہیں۔ ہم موٹوں کو شک کی نظر سے نہیں دیکھتے کیونکہ ہمیں جو شخص مشکوک لگتا ہے وہ بعد میں پولیس والا نکل آتا ہے اور خود پولیس والے تو اپنے گھر والوں کو تب تک غور سے نہیں دیکھتے جب تک انہیں ان پر شک نہ ہو۔ کہتے ہیں یورپ میں کسی ہوٹل کے کمرے کے دروازے سے باہر آپ جوتے چھوڑ جائیں تو صبح آپ دیکھیں گے وہ صاف اور چمک رہے ہیں۔ ہمارے ہاں جوتے باہر چھوڑ جائیں

تو صبح آپ دیکھیں گے وہ جگہ صاف اور چمک رہی ہو گی۔ لیکن اس کے باوجود ہمارے ہاں اتنی کم چوریاں ہوتی ہیں کہ سرعام پولیس والے بندوقیں لئے سو رہے ہوتے ہیں۔

امریکہ میں کچھ علاقوں میں اتنی چوریاں ہوتی ہیں کہ سپاہی رات کو بندوق لے کر جاگتے رہتے ہیں' اس لئے نہیں سوتے کہ کہیں بندوق نہ چوری ہو جائے۔ وہاں کے کچھ شہروں میں تو بندہ اتنا غیر محفوظ ہے کہ چور ڈاکو تک آدھی رات کے بعد اکیلے سفر نہیں کرتے۔ ہمارے ایک بزنس مین دوست بیمار رہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں میں تو دن رات خون پسینہ ایک کرکے ڈاکٹروں کے بیوی بچوں کو پال رہا ہوں۔ ایسے ہی چور ڈاکو دن رات ایک کرکے محکمہ پولیس چلا رہے ہیں ورنہ ہمارے ہاں بھی وہی ہوتا جو برازیل کی میونسپل کارپوریشن میں ہوا۔ وہاں کے پولیس کمشنر کی نوکری خطرے میں تھی کیونکہ کئی سالوں سے وہاں کوئی جرم نہیں ہوا تھا اور حکومت نے جیلوں کی عمارتیں کرائے پر دے دی تھیں۔ یہ تو پولیس کمشنر کی قسمت اچھی تھی کہ ایک چوری ہو گئی ورنہ پولیس کمشنر کی پوسٹ بھی ختم کرنے کا سوچا جا رہا تھا۔ ہمارے ہاں تو پولیس کا آدھا کام بلکہ آدھی پولیس کا کام حکمرانوں کو عوام سے بچائے رکھنا ہے۔ حکمران گزر رہے ہوں تو پولیس والے آگے پیچھے دائیں بائیں ہر طرف موجود ہوتے ہیں۔ ایک غیر ملکی نے پوچھا "کس لئے؟" بتایا "حکمرانوں کی حفاظت کے لئے۔" تو وہ غیر ملکی بولا "یہ ایسے کام کرتے ہی کیوں ہیں جن کی وجہ سے انہیں عوام سے اتنا بچا کر رکھنے کی ضرورت پڑے۔" پولیس والے اپنی کسی خامی اور حرکت پر شرمندہ نہیں ہوتے۔ البتہ ان سے ان کی تنخواہ پوچھ لو تو شرمندہ ہو جائیں گے۔ وہ سارا دن جیبوں میں ہاتھ ڈال کر پھرتے رہیں لیکن کوئی جیب میں ہاتھ ڈالنے ہی نہیں دیتا۔ پولیس نے کافی ترقی کی ہے۔ وہ پہلے جتنی تگ و دو سے جتنے جرائم پر قابو نہ پا سکتے اب وہ اتنی ہی تگ و دو سے اس سے زیادہ جرائم پر قابو نہیں پا سکتے۔ وہ سوئے ہوئے بھی آن ڈیوٹی ہوتے ہیں' اس لئے جب سوئے ہوں سمجھ لیں آن ڈیوٹی ہیں۔ میکسیکو جیل میں قیدیوں کو بسوں میں

بھر کے پورے شہر میں گھمایا جاتا ہے تا کہ وہ دیکھ سکیں کہ آزاد لوگ کتنے خوش ہیں۔ ہمارے ہاں بھی بسوں میں بھر کر پورے شہر میں گھمایا جاتا ہے مگر پولیس والوں کو۔

کچھ پولیس والوں نے گھڑ سواری سے پیٹ کم کرنے کی کوششیں کی ہیں جن سے پیٹ کم ہونا شروع ہوا ہے۔ مگر گھوڑے کا۔ پولیس والے دو تین بار سلمنگ سنٹر چلے جائیں تو کئی پونڈ وزن کم ہو جاتا ہے۔ جی ہاں سلمنگ سنٹر کے مالک کا۔ موٹاپا ایک بیماری ہے جس میں تھانیدار مبتلا نہیں ہوتے بلکہ بیماری ان میں مبتلا ہوتی ہے۔ ہمارے ایک ڈائریکٹ حوالدار دوست کہتے ہیں رزق حلال کھانے سے پیٹ نہیں بڑھتا حالانکہ کہنا تو یہ چاہیے تھا کہ رزق حلال کھانے سے پیٹ نہیں بھرتا۔ ہمارے یہ دوست کہتے ہیں میں ہمیشہ رزق حلال کھاتا ہوں مگر کبھی کبھی اپنے گھر سے بھی کھانا منگوا لیتا ہوں۔ وہ کھانا کھا کر اٹھیں تو کبھی یہ نہیں کہتے "بس پیٹ بھر گیا" یہی کہیں گے "بس اب میں تھک گیا۔" ویسے پولیس والوں کو پیٹ کم کرنے کا ایک نسخہ ہم بھی بتا دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ جب بھی مرغن کھانا کھائیں بل اپنی جیب سے دیں۔

○○○

- **قرض** ہسنا

بینک سے قرض لینے کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ پہلے آپ یہ ثابت کریں کہ آپ کو اس کی ضرورت نہیں۔ جہاں تک بینک کو قرض لوٹانے کی بات ہے تو بینک قرض دینے کے لئے ہوتے ہیں لینے کے لئے نہیں۔ ایک بڑے بینک آفیسر کے بقول تو قرض حسنہ اب قرض ہسنا بن گیا ہے کیونکہ جب بھی کسی بڑے مقروض کو قرض واپس کرنے کے لئے کہا جائے تو وہ جواب میں ہنسنے لگتا ہے لیکن پنجاب پراونشل کوپرایٹو بینک کے جنرل مینجر صاحب نے مقروضان سے قرض واپس لینے کا جدید طریقہ نکالا ہے۔ انہوں نے اخبار میں اشتہار دیا جس کی سرخ تھی:

"نا دہند مقروضان کے لئے خوشخبری"

اگرچہ بینک کی ساری خوشخبریاں ایسے ہی لوگوں کے لئے ہوتی ہیں لیکن یہ خوشخبری یوں ہے کہ پچاس ہزار تک کی مالیت کے انفرادی قرضہ جات لوٹانے والوں کو سود مارک اپ کلیہ معاف' جب کہ ایک لاکھ پر پچاس فیصد معافی۔ صاحب یہ اشتہارات کا دور ہے پولیس والے مجرموں کی گرفتاری کے لئے چھاپے کی بجائے چھاپے خانے جا کر اشتہار چھپواتے ہیں جن میں پکڑوانے والے کے لئے اتنے اتنے بڑے انعام ہوتے ہیں کہ اگر ہم مجرم ہوتے تو ہم فوراً خود کو پکڑ کر ان کے حوالے کر دیتے۔ ہمارے ایک شاعر دوست کی کتاب کا دوسرا ایڈیشن چھپا تو ایک ستم ظریف نے یہ خوشخبری دی کہ جو اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن کی ایک کتاب خریدے گا اسے پہلے ایڈیشن کی دو کتابیں مفت دی جائیں گی۔ اگرچہ کچھ لوگ یہ پوچھتے ملتے کہ یہ خوشخبری ہے یا دھمکی۔ ایک ڈاکٹر نے ایسا اعلان کیا کہ جو میرے ہسپتال سے اپنے پتے اور گردے کا آپریشن کروائے گا اس کا اپنڈکس کا آپریشن مفت کیا جائے گا۔ ہر کسی کا پبلسٹی کا اپنا انداز ہوتا ہے۔ امریکہ میں ایک عینک ساز کی دکان پر یہ اشتہار لگا تھا "اگر آپ نہیں دیکھ سکتے کہ آپ

کیا چاہتے ہیں تو پھر آپ ٹھیک جگہ پر پہنچے ہیں۔" ہو سکتا ہے کل کسی بینک کی طرف سے ایسا اعلان چھپے کہ جو شخص کل سود ادا کر دے اس کا قرضہ معاف کر دیا جائے گا اور جو آدھا سود دے گا اس کا آدھا قرضہ معاف' ویسے بھی اچھا بینکر وہ ہوتا ہے جو سود کی رقم نہ ڈوبنے دے اصل رقم بھلے ڈوب جائے۔

امریکی شاعر رابرٹ فراسٹ کہتا ہے بینک وہ جگہ ہے جہاں سے آپ کو صاف موسم میں چھتری ادھار ملتی ہے اور جونہی بارش ہونے لگے وہ چھتری کی واپسی کا تقاضا شروع کر دیتے ہیں بینک سے اگر آپ تھوڑی رقم لیں تو آپ بینک کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں' اگر زیادہ رقم لیں تو تو بینک آپ کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔ وول راجرز کہتا ہے جب سے دنیا بنی ہے اس میں تین بنیادی ایجادیں ہوئیں۔ ایک آگ' دوسرا پہیہ اور تیسری مرکزی بینکاری۔ روپیہ پیسہ سود پر لینا دنیا کا دوسرا قدیم ترین پیشہ ہے پہلے قدم ترین پیشے سے اس کی کونسی قدر مشترک ہے ہمیں معلوم نہیں کیونکہ اس میں ادھار سے کام چلتا ہے اور اس میں ادھار نہیں چلتا کیونکہ اس میں ادھار تو دراصل او ..... ہار ہے۔ بینک میں بگ گن وہ ہوتا ہے جسے کبھی فارڈ نہ کیا جا سکے۔ جب کہ بینک آفیسر وہ ہوتا ہے جو ایک ہفتے کی چھٹی پر جائے تو سات دن بعد ہی واپس آ جائے۔

ہمارے ہاں 1947ء سے اب تک بینکوں سے جتنی رقم ڈاکوؤں نے لوٹی وہ اس رقم کا دسواں حصہ بھی نہیں جو سیاست دانوں نے قرض لے کر نہیں لوٹائی۔ دولت سیاست دان کی چھٹی حس ہوتی ہے۔ ایک دفعہ ہم ایک سیاست دان کے بارے میں لکھ بیٹھے کہ ہمارے یہ سیاست دان بڑے قیمتی ہیں تو ہر کوئی ہم سے ان کی قیمت پوچھنے لگا۔ شاید اسی لئے سیاست دان گاڑی میں جا رہے ہوں تو ان کے آگے پیچھے اتنے گن مین ہوتے ہیں کہ لگتا ہے بینک والوں کی کیش ویگن جا رہی ہے۔ بینکوں میں ان کے سیونگ اکاؤنٹ نہیں سپنڈنگ اکاؤنٹ ہوتے ہی۔ کراچی والے تو پانی روپے کی طرح بہاتے ہیں یعنی روپے کو پانی کی طرح بہاتے ہیں۔ روز مری تو ان کا روزمرہ ہے۔ کہتے ہیں جہاں

تم اپنا خون گراؤ گے ہم اپنا پسینہ گرائیں گے۔ ان کی مقدس کتاب چیک بک ہوتی ہے۔ اللہ انہیں دولت کی دولتی سے بچائے۔ دولت کی اپنی زبان ہوتی ہے۔ یہ بولتی بھی ہے ہم نے اسے خود بولتے سنا ہے۔ ہمیں "خدا حافظ" کہہ رہی تھی۔ دولت سے سب خریدا جا سکتا ہے صرف ایک چیز نہیں خریدی جا سکتی' وہ ہے غریبی۔ اس کے لئے شاک ایکسچینج جانا پڑتا ہے۔ پرانی کہاوت ہے اگر آپ جاننا چاہتے ہیں کہ اللہ کی نظر میں دولت کا کیا مقام ہے تو اس کا اندازہ آپ کو ان لوگوں کو دیکھ کر ہو جائے گا جنہیں وہ دولت دیتا ہے۔ دولت ہونے سے بندہ اپنے آپ کو بھول جاتا ہے نہ ہونے سے لوگ اسے بھول جاتے ہیں۔ ایک صاحب سے ہم نے پوچھا "کیا تمہارے غریب رشتہ دار ہیں؟"

"ہوں گے لیکن میں انہیں نہیں جانتا۔"

"امیر رشتہ دار ہیں؟"

"ہوں گے لیکن وہ مجھے نہیں جانتے۔"

عام زندگی میں کسی کو تھوڑے سے پیسے دیئے جائیں تو وہ آپ کا مقروض بن جاتا ہے۔ اگر بہت پیسے دیئے جائیں تو آپ کا دشمن بن جائے گا۔ ہمارے ہاں بہت کم سننے میں آتا ہے کہ کسی نے ہنستے مسکراتے قرض لوٹایا ہو۔ البتہ ہماری ایک اداکارہ نے کہا تھا کہ میں بینک کا قرضہ مسکرا کر ادا کروں گی جس پر بینک والوں نے کہا آپ مسکرا کر نہیں پیسے دے کر قرض لوٹائیں۔ بڑا آدمی وہ ہوتا ہے جو جس شخص سے قرض لے اسے ادا کرنے کے باوجود خود کو اس بندے کا مقروض سمجھے۔ ہم تو اس پر یقین رکھتے ہیں کہ بندے کو اپنی تنخواہ میں گزارا کرنا چاہیے' چاہے اس کے لئے قرض ہی کیوں نہ لینا پڑے۔ جہاں تک ہم سے قرض واپس لینے کا تعلق ہے تو اکثر دوست یہ دھمکی دے کر لیتے ہیں کہ اگر تم نے میرا قرض واپس نہ کیا تو میں دوسرے قرض خواہوں کو بتا دوں گا کہ تم نے میرا قرض لوٹا دیا ہے۔ لیکن ہمارے شاعر اقبال ساجد صاحب کے ساتھ تو اور ہی واقعہ پیش آیا۔ انہوں نے کسی کے دس روپے دینا تھے۔ کئی سال

تک واپس نہ کئے لیکن ایک دن اچانک دس روپے نکال کر قرض خواہ کو دے دیئے تو اس نے یہ کہہ کر دس روپے لینے سے انکار کر دیا کہ میں نے کئی سال لگا کر تمہارے بارے میں جو رائے قائم کی تھی تم چاہتے ہو میں دو روپوں میں اسے بدل دوں۔

ہم تو سمجھتے ہیں جس نے بینک کا جتنا زیادہ قرضہ دینا ہو وہ اتنا بڑا آدمی ہوتا ہے اور جس نے جتنا چھوٹا قرضہ دینا ہو وہ اتنا چھوٹا ہوتا ہے۔ یہ تو اچھا ہوا گورنر اسٹیٹ بینک ڈاکٹر محمد یعقوب نے ہمیں "مزید" چھوٹا ہونے سے بچا لیا۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کا ہر گھرانہ 53 ہزار کا مقروض ہے۔ کوئی اس قرض کو چکانے کی کوشش نہیں کر رہا سوائے ہمارے محلے کے مولوی صاحب کے۔ ان کے گھر کے پانچ افراد تھے۔ یوں فی فرد دس ہزار قرضہ بنتا تھا۔ انہوں نے ذاتی محنت سے یہ قرضہ کم کرکے پانچ ہزار فی فرد کر لیا ہے۔ وہ یوں کہ اب ان کے گھر کے افراد دس ہو گئے ہیں۔ ویسے اگر اسی طرح سب کوشش کریں تو فی فرد قرض ہزاروں سے روپوں میں آ سکتا ہے۔

○○○

- **فقیر اعلیٰ**

ہمیں اتنا تو پتہ تھا کہ جے سالک صاحب کا حافظہ بہت برا ہے۔ آپ کہیں گے‘ کیا انہیں کچھ یاد نہیں رہتا؟ جی نہیں‘ انہیں سب کچھ یاد رہتا ہے مگر ہمیں یہ پتہ نہ تھا کہ ایک دن وہ یہ کہیں گے کہ مجھے یاد نہیں رہتا کہ میں وزیر ہوں۔ حالانکہ ہمارے سیاستدانوں کو یہ یاد نہیں رہتا کہ وہ وزیر نہیں ہیں۔ جیسے جو اچھا کالم نگار ہوتا ہے‘ وہ جونہی اپنا کالم ختم کرتا ہے اس کے ذہن میں اچھے اچھے خیالات آنے لگتے ہیں۔ ایسے ہی اچھا سیاستدان وہ ہوتا ہے جو جونہی اپنی بات ختم کرتا ہے‘ اسے بھول چکا ہوتا ہے کہ اس نے کیا بات کی ہے۔ ویسے بھی بندے کو گزری باتیں یاد آنے لگیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کا حافظہ بہت اچھا ہے بلکہ یہ کہ وہ بوڑھا ہو رہا ہے۔

ہمارے ہاں سب سے غیر حاضر دماغ پروفیسر ہوتے ہیں کیونکہ پروفیسری وہ کام ہے جو دماغ حاضر ہو تو نہیں ہو سکتا۔ سٹیفن لی کاک جن کے نام کا ڈاکٹر شفیق الرحمٰن نے ”سٹیفن صاحب کا مرغا“ ترجمہ کیا تھا۔ 1954ء میں انہوں نے یہ بات تھامس کوسٹن کو بتائی کہ شکاگو کے ایک پروفیسر نے مجھے خط لکھا ہے کہ وہ غیر حاضر دماغ پروفیسروں کے بارے میں ایک کتاب لکھنا چاہ رہے ہیں۔ مواد بھیجنے میں مدد کریں اور موصوف خط میں اپنا نام و پتہ لکھنا بھول گئے ہیں۔ جے کے چسٹر ٹن بازار میں چلتے چلتے اپنے دفتر کا راستہ بھول جاتے‘ پھر وہ کسی نیوز اسٹال پر رک کر اپنا ہی ہفت روزہ ”جے کیز“ خریدتے‘ اس میں سے پتہ دیکھ کر واپس پہنچتے۔ ہمارے کئی ادیب شاعر بھی راستہ بھول کر کبھی اپنے ہی گھر جا نکلتے ہیں۔ کہتے ہیں دنیا میں فرانس کے وزیراعظم پال سب سے غیر حاضر دماغ تھے۔ دفتر سے واپسی پر ٹیکسی پر گھر چلے جاتے حالانکہ ان کی سرکاری کار ان کا انتظار کر رہی ہوتی۔ ایک بار گھر میں کسی دوست کا انتظار کر رہے تھے‘ وقت

کچھ زیادہ ہو گیا' انہیں ایک اور کام یاد آ گیا۔ چنانچہ انہوں نے چٹ لکھ کر دروازے کی کنڈی میں پھنسا دی جس پر لکھا تھا "پال پندرہ منٹ بعد واپس آئے گا۔" جب وہ ضروری کام سے فارغ ہو کر آئے تو اپنی ہی چٹ پڑھ کر سیڑھیوں میں اکڑوں بیٹھ کر اپنے آنے کا انتظار کرنے لگے۔

یہ بات کہ میں اپنا وزیر ہونا بھول جاتا ہوں' کوئی اور وزیر کہتا تو ہم کوئی اور مطلب لیتے۔ ویسے بھی منتر اوٹ پٹانگ کلمات پڑھنے کو کہتے ہیں اور بھارت جو مسلسل ایسے کلمات کہے' اسے منتری جی یعنی وزیر کہتے ہیں لیکن ہم جے سالک کی جی اور لک کو ہی نہیں' جے سالک کو بھی جانتے ہیں۔ یہی نہیں پسند بھی کرتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ لوگ مزاح نگار کی پسند کا ذکر بھی یوں سنتے ہیں جیسے لطیفہ سن رہے ہوں۔ ہر دور میں کئی لطیفے مشہور ہوتے ہیں۔ نواز شریف دور میں شیخ رشید ------ اور فقیر اعلیٰ جے سالک بے نظیر حکومت نے فقیر اعلیٰ "بال برداری" کے لئے رکھا ہوا۔ دوسرے محکموں کے وزیر اپنے محکمے کی پیداوار میں اضافہ کرنے کے لئے ہیں' یہ اپنے محکمہ سے متعلقہ پیداوار کو کم کرنے کے لئے رکھے گئے ہیں لیکن محکمہ منصوبہ بندی کا یہ مسئلہ ہے کہ جو لوگ مانتے ہیں زیادہ بچے پیدا کرنے سے "مسائل اور سائل" بڑھتے ہیں' یہ وہ ہوتے ہیں جن کے ہاں زیادہ بچے پہلے ہی پیدا ہو چکے ہوتے ہیں۔ بچے آج اتنا بڑا Issue ہیں کہ جن کے ہاں بچے نہ ہوں' انہیں Issue-Less کہا جاتا ہے۔ کہتے ہیں یونان کی ریاست السپارٹ میں ایک شخص کی سرکاری ڈیوٹی یہ تھی کہ ہر روز بے انتہا شراب پی کر شہر کے گلی کوچوں میں نکل جائے اور سارا دن دھکے کھاتا پھرے تا کہ نوجوان اسے دیکھ کر عبرت پکڑیں کہ شراب کتنی بری چیز ہے۔ حکومت کا نعرہ ہے' دو بچے خوشحال گھرانہ' بچے زیادہ ہوں گے تو آپ خوشحال نہیں ہوں گے۔ خوشحال نہیں ہوں گے تو آپ کے ساتھ کیا ہو گا' یہ بتانے کے لئے جے سالک کو وزیر بنا دیا گیا ہے۔ ویسے بھی آج کے دور میں تو خوشحال خٹک نہیں پریشان خٹک پیدا ہوتے ہیں۔

کہتے ہیں بھول جانا ایک بیماری ہے لیکن اس کے علاج کے لئے مریض سے زیادہ ڈاکٹر

کو احتیاط کرنا پڑتی ہے۔ ایسے مریضوں سے ڈاکٹر یہ احتیاط برتتے ہیں کہ ان سے فیس ایڈوانس لیتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اگر آپ کو بھولنے کی بیماری ہے تو آپ گھر جائیں اور بھول جائیں کہ آپ کو کوئی بیماری ہے۔ ہمارے ہاں تو جو بندہ ایک بار وزیر بن جائے پھر ساری عمر سونے کے بعد اور اٹھنے سے پہلے وزیر ہی رہتا ہے۔ وزیر کو تو ایشیا میں اور ہی مخلوق سمجھا جاتا ہے۔ پچھلے دنوں بھارت کے صوبہ بہار میں شادی کی ایک تقریب میں دولہے نے کہا' ایک بندہ اور میری گاڑی میں بیٹھ جائے۔ دولہے کے عزیز منتری جی گاڑی میں سوار ہو گئے تو ایک صحافی بھی اندر آنے لگا تو دولہے نے کہا' میں نے تو کہا تھا صرف ایک بندے کی جگہ ہے تو صحافی نے کہا' اسی لئے تو میں آ رہا ہوں کیونکہ یہ تو منتری جی ہیں۔ سالک صاحب کی یہ بات سن کر کہ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ وزیر ہیں' ہم بھول گئے ہیں کہ ہم وزیر نہیں ہیں۔ ویسے ان کے لئے ہمارا ایک غیر طبی مشورہ ہے جب واجد علی شاہ مٹیا برج میں نظر بند تھے تو نماز پڑھتے وقت رکعتیں

بھول جاتے تھے۔ کہتے ہیں اس کا یہ حل نکالا گیا کہ ایک ملازم ہر رکعت کے بعد ایک بادام جاء نماز کے حاشیے پر رکھ دیتا۔ تاجدار سجدے کے بعد کنکھیوں سے بادام گن کر فیصلہ کرتے کہ خدا کے حضور رکوع و سجود کرنا ہے یا آرام سے التحیات پڑھنی ہے۔ سو سالک صاحب ایک ملازم رکھ لیں جونہی یہ عام انسانوں والی بات کریں وہ انہیں فوراً یاد دلا دے کہ آپ تو وزیر ہیں۔

○○○

• بچگانہ مزاح

بچوں کے عالمی دن کے موقع پر ایک ادیب نے کہا کہ اردو میں بچوں کا مزاح نہیں لکھا گیا۔ اس سے تو یہی لگتا ہے کہ اس نے بڑوں کا مزاح نہیں پڑھا۔ ہمارے ایک مشہور انشائیہ نگار نے کہا "میں نے پہلا انشائیہ پانچویں کلاس میں لکھا۔" تو ایک نقاد نے کہا "واقعی آپ کے انشائیے پڑھ کر ایسے ہی لگتا ہے۔" البتہ بچوں اور ہمارے ادیبوں میں فرق یہ ہے کہ بچے بڑے ہو جاتے ہیں۔ کہتے ہیں بچے والدین کی تربیت میں اہم رول ادا کرتے ہیں۔ یہ انہیں غصے پر قابو پانا سکھاتے ہیں' ہم نے تو بڑوں کا ادب پڑھ کر غصے پر قابو پانا سیکھا۔ صاحب جیسے گرلز گائیڈ میں سات سال سے لے کر ستر سال کی گرلز ہو سکتی ہیں صرف لکھتے وقت گرلز کو چھوٹی "جی" کی بجائے بڑی "جی" سے لکھنا پڑتا ہے۔ ایسے ہی ہمارے خیال میں بچہ ہر عمر کا ہو سکتا ہے۔ بڑھاپا تو ہے ہی دوسرا بچپن' بس یہ فرق ہے کہ بچپن کے دن مختصر اور سال طویل ہوتے ہیں جب کہ بڑھاپے میں دن طویل اور سال مختصر ہونے لگتے ہیں۔ ہمارے ملک میں 48 فیصد مرد' 52 فیصد عورتیں اور 152 فیصد بچے ہوتے ہیں۔ ہمارے ہاں ایک اور ایک گیارہ کا محاورہ ہے۔ شاید اسی لئے ہمارے غریب گھروں میں اتنے بچے ہوتے ہیں کہ کسی سے پوچھو "کتنے بال ہیں؟" تو جو تعداد بتائے گا اس سے پتہ نہیں چلے گا کہ سر کے بال بتا رہا ہے یا گھر کے۔ آج کے بچے اتنے بچے نہیں۔ انہیں وہ سب میسر ہے جو ان کے والدین کو ان کے زمانے میں اس عمر میں میسر نہ تھا۔ مثلاً ڈپریشن' السر' آلودگی اور ٹینشن۔

ہمارے ایک دوست کی بیوی نے خاوند سے کہا کہ گھر میں لوٹا نہیں ہے آج لیتے آنا۔ یہ سن کر بچہ ضد کرنے لگا "ابا ابا میں بھی ساتھ جاؤں گا۔ میں نے بھی اسمبلی ہاؤس نہیں دیکھا۔"

پہلے بچہ ماں سے پوچھتا کہ میرا چھوٹا بھائی کہاں سے آیا؟ تو مشرقی ماں شرما کر کہتی

"اسے ایک چیل چھوڑ گئی۔" بچہ پوچھتا "میرا اس سے چھوٹا بھائی کہاں سے آیا؟" تو ماں کہتی "تمہاری نانی نے ایک صندوق دیا تھا اس سے نکلا ہے۔" آج اگر ماں بچے کو یہ جواب دے تو وہ کہتا ہے "ہمارے گھر میں کوئی نیچرل طریقے سے پیدا نہیں ہوا۔" آج کے بچوں کو یہ بھی پتہ ہے کہ پاکستان کے سب سے قیمتی گھوڑے کہاں پائے جاتے ہیں۔ ویسے ہم سوچتے ہیں ارکان اسمبلی کو گھوڑا ہی کیوں کہا جاتا ہے' اونٹ کیوں نہیں کہتے حالانکہ آج تو کیا ان کی کوئی کل سیدھی نہیں ہوتی۔ شاید انہیں اونٹ اس لئے نہیں کہتے کہ اونٹ پانی پیئے بغیر ایک ہفتہ گزار سکتا ہے۔

مزاح نگار اور سنجیدہ رائٹر میں یہ فرق ہوتا ہے کہ سنجیدہ رائٹر کی بات سمجھ میں نہ آئے تو لوگ ہنستے ہیں جبکہ مزاح نگار کی بات سمجھ میں آ جائے تو ہنستے ہیں۔ خواتین شاید اسی لئے مزاح نہیں لکھتیں کہ لوگ ہنسیں گے۔ عورتوں کو مستقبل اس فیلڈ میں اس لئے بھی نہیں کیونکہ وہ ذرا کسی سے شگفتہ بات کریں تو دوسرا فوراً سنجیدہ ہونے کی کرتا ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ بچہ ماں کی باتوں پر ہنستا ہے۔ سو مزاح نگار بننے کے لئے ماں ہونا ضروری ہے۔ جس کا مطلب یہ نہیں کہ تمام مزاح نگار حاملہ ہوں۔ یہ ضروری ہے کہ ان میں ممتا ہو۔ جس کو یہ پتہ چل جائے کہ لوگ کس بات پر ہنستے ہیں وہ مزاح نگار نہیں بن سکتا' نقاد ہی بنتا ہے۔ ہماری تحریریں سن کر اکثر دوست دو دن بعد جا کے ہنستے ہیں پھر داد مانگتے ہیں کہ دیکھا ہماری یادداشت۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے ایک امریکی آرٹسٹ تصویروں کی نمائش دیکھنے گئی تو وہاں اس کی ایک نیوڈ پینٹنگ لگی ہوئی تھی۔ ایک صحافی نے پوچھا "میڈم آپ کو اس تصویر کے لئے ماڈلنگ کرنا پڑی؟" وہ بولی "نہیں مصور نے اپنی یادداشت سے بنائی ہے۔"

ویسے دنیا میں سب سے مشکل کام وہ ہوتا ہے جسے ہر کوئی کر سکے سو مزاح لکھنا کوئی مشکل نہیں۔ مجھے دوسرے مزاح نگاروں کا تو پتہ نہیں البتہ میں کہہ سکتا ہوں میں نے جتنا مزاح لکھا بچوں کے لئے لکھا۔ جیسے کسی نے میڈونا سے کہا "سنا ہے آپ کو بچوں سے پیار نہیں؟" تو وہ بولی "غلط' میں تو بچوں سے بہت پیار کرتی ہوں۔ خاص طور پر

ان بچوں سے جو بیس تیس سال پہلے پیدا ہوئے تھے۔"

○○○

• غور منٹ

صاحب! ہمارے ایک دوست اقبال صاحب ہیں اب تو ان کے بال بس اتنے رہ گئے ہیں کہ لوگ انہیں "اک بال" صاحب کہہ کر بلانے لگے ہیں۔ ان سے کسی نے پوچھا "بال گر رہے ہوں تو کیا کرنا چاہیے؟" تو انہوں نے کہا "نیچے سے ہٹ جانا چاہیے" ایسے ہی ہمارا تعلیمی معیار جس رفتار سے گر رہا ہے سیانی بات تو یہی تھی کہ اس کے نیچے سے ہٹ جاتے مگر منظور وٹو صاحب ہٹ کے بکے ہیں۔ ہم وزیراعلیٰ منظور وٹو صاحب کے کسی فیصلے پر نہیں بولتے کہ بندہ فیصلے پر کچھ کہنے کے لئے ابھی ان کا آدھا نام ہی لیتا ہے تو لوگ سمجھتے ہیں فیصلہ "منظور" کہہ رہا ہے۔ پہلے ہمارا تعلیمی معیار اتنا بلند تھا کہ لوگوں کا اس تک ہاتھ نہ پہنچ سکا تھا لیکن حکومت پنجاب نے تعلیمی معیار اور بلند کرنے کے لئے فیصلہ کیا ہے کہ بچوں کو پرائمری تک امتحان لئے بغیر پاس کیا جائے گا۔

جیسے ٹیچری اچھا پروفیشن ہے۔ بس اس میں یہ مسئلہ ہے کہ کبھی کبھی کلاس لینا پڑتی ہے ایسے ہی کلاس روم اچھی جگہ ہے۔ بس وہاں پڑھایا نہ جائے۔ اگر پڑھایا جائے تو امتحان نہ ہو۔ چلو امتحان بھی ہوں مگر نتیجہ نہ نکلے۔ نتیجے تو ہماری حکومت اتنا ڈرتی ہے کہ ہمارے ہاں محبت کا جو نتیجہ نکلتا ہے اسے روکنے کے لئے پورا محکمہ بے سالک کی لک آزما رہا ہے۔ طبعیات (یہاں طبعیات' طبیعت کی جمع ہے) کے اصول کے مطابق دنیا میں ہمیشہ ذہانت کی کل مقدار ایک سی رہتی ہے اس لئے زیادہ بچے ہونا عقل کا گھاٹا ہے۔ ایک سائنسی رپورٹ کے مطابق تو اب دنیا میں جڑواں بچے پیدا ہونے کی شرح بڑھ گئی ہے جس سے لگتا ہے دنیا ایسی ہو گئی ہے کہ بچے یہاں اکیلے آنے سے گھبرانے لگے ہیں۔ بچے جب پیدا ہوتے ہیں تو بڑے معصوم ہوتے ہیں لیکن بعد میں تعلیم یافتہ ہو جاتے ہیں۔ تعلیم حاصل نہ کرنے والے کو جاہل اور تعلیم حاصل کرنے والے کو بیروزگار

کہتے ہیں۔ ویسے جاہل وہ ہی نہیں ہوتا جو پڑھنے کے قابل نہ ہو وہ بھی ہوتا ہے جسے یہ پتہ نہ ہو کہ کیا پڑھنے کے قابل نہیں؟ جو سارا دن پڑھتا رہے اسے محنتی نہیں بور کہتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں بندے کو تعلیم حاصل کرنا چاہیے اس کے لئے اسے سکول ہی کیوں نہ جانا پڑے۔ ہمارے ایک سیاستدان کہتے ہیں میں امتحانات کی وجہ سے تعلیم حاصل نہ کر سکا جب بھی میں تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہوں تو امتحان آ جاتے۔ اگر مجھے تعلیم حاصل کرنے کا موقع مل جاتا تو آج میں سیاستدان نہ ہوتا' پڑھا لکھا ہوتا۔ جب امتحان کی ڈیٹ آتی تو ڈیٹ بھول جاتا کیونکہ میں امتحان "ڈیٹ" سے زیادہ ضروری سمجھتا۔
دنیا میں وہ فقرہ جو سب سے زیادہ بولا گیا وہ ہے "گورنمنٹ آپ کے مسائل پر غور کر رہی ہے۔" یوں گورنمنٹ دراصل غور منٹ ہوتی ہے لیکن پنجاب غور منٹ نے منٹ غور کیا اور ایک ہی فیصلے سے شرح خواندگی میں اتنا اضافہ کر دیا کہ اب ہماری کتابیں پڑھ کر بھی شرح خواندگی میں اضافہ ممکن نہیں۔ ایسے ہی مسز تھیچر نے برطانیہ میں بیروزگاری کم کی تھی۔ وہاں پہلے سولہ سال کا لڑکا لڑکی جو کہیں ملازم نہ ہوتا بیروزگار کہلاتا' مسز تھیچر نے اعلان کیا کہ 16 سال سے 18 سال کی عمر کے لڑکوں کو بیروزگار نہیں مانا جائے گا۔ یوں ایک ہی دن میں برطانیہ میں 30 فیصد بیروزگار کم ہو گئے۔ البرٹ ایڈورڈ کہتا ہے ذہانت وہ چیز ہے جس کے باعث بندہ تعلیم کے بغیر گزارہ کر سکتا ہے اور تعلیم وہ چیز ہے جس کے باعث بندہ اپنی ذہانت استعمال کئے بغیر گزارہ کر سکتا ہے۔ آج کل سکولوں میں جتنی محنت اور سفارش سے بچوں کو کلاس میں داخلہ ملتا ہے اس سے کم محنت اور سفارش سے انہیں اس کلاس کو ٹیچر رکھوایا جا سکتا ہے۔ اب بچے ٹائم سکیل پروموشن کے تحت اگلی جماعت میں چلے جایا کریں گے البتہ اس سے بچوں کی صلاحیتوں کا پتہ نہ چل سکے گا جیسے بچپن میں ہمارے سکول ٹیچر نے ہمارے امتحان کا رزلٹ دیکھ کر ہمارے والد صاحب کو بتا دیا تھا کہ آپ کا بیٹا سیاستدان نہیں بن سکے گا یہ تو ایک سال میں ایک جماعت نہیں بدل سکا۔ بہرحال ہو سکتا ہے موجودہ حکومت بچوں کو کسی

امتحان میں ڈالنا نہ چاہتی ہو لیکن بچوں کو پرائمری تک بغیر امتحان کے پاس کرنے کے فیصلے پر کوئی بچہ شاید ہی ناخوش ہو سکتا ہے۔ ہمیں اس پر یہ اعتراض ہے کہ بڑوں کو بھی یہ سہولت ملنی چاہیے تا کہ ہماری اسمبلیوں میں بھی خواندگی کی شرح بڑھے۔

○○○

- میے دانِ سیاست

ہمیں آج تک سمجھ نہیں آئی کہ لوگ ہماری سنجیدہ باتوں پر ہنسنے کیوں لگتے ہیں اور ہماری مزاحیہ باتوں پر سنجیدہ کیوں ہو جاتے ہیں۔ کبھی کبھی تو لگتا ہے وہ ہمیں بھی سیاست

دان سمجھتے ہیں۔ بچپن میں ایک بار سکول جاتے ہوئے ایک فیملی نے گاڑی روک کر راستہ پوچھا "بیٹا کیا آپ بتا سکتے ہیں اس وقت ہم کہاں ہیں؟" ہم نے کہا "اپنی گاڑی میں" تو اس شخص نے اپنی بیوی سے کہا "یہ بڑا ہو کر سیاست دان بنے گا۔ اس نے جو بتایا وہ درست ہے لیکن اس نے ایسا کچھ نہیں کہا جس کا ہمیں پہلے سے علم نہیں۔"
اب لوگ یہ تو نہیں کہتے بڑا ہو کر سیاستدان بنے گا یہ کہتے ہیں چھوٹا ہو کر سیاستدان بنے گا' جو شاعر کہے' مجھے سیاست اور اکنامکس کی سمجھ ہے وہ شاعر نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ شاعر ہے تو جھوٹ بول رہا ہے۔ ہم میں صرف اتنی سی شاعرانہ صلاحیت ہے کہ ہمیں سیاست اور اکنامکس کی سمجھ نہیں ویسے بھی سب سے اچھا شاعر وہی ہوتا ہے جو شاعری نہیں کرتا۔ سیاست دانوں کے بارے میں ہم یہی جانتے تھے کہ یہ عوام کے مسئلے حل کرتے ہیں' کس میں حل کرتے ہیں؟ آپ کو پتہ ہی ہے سب سے اچھا محلل کونسا ہے؟ ہم سمجھتے تھے سیاستدانوں کے لئے سب سے بڑا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی مسئلہ نہ ہو لیکن پچھلے دنوں ایک سروے رپورٹ میں زندگی کے ہر شعبے کے لوگوں سے پوچھا گیا تھا کہ پاکستان کا سب سے بڑا مسئلہ کیا ہے۔ تو اکثریت کا جواب تھا "سیاستدان" ------ یہ پڑھ کر لگا چلو ہم نے سیاستدان نہ بن کر قوم کو ایک مسئلے سے تو نجات دلائی۔
ہمارے ہاں تین قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جو سیاست دان کو اچھا نہیں سمجھتے' دوسرے وہ جو سیاستدانوں کو نہیں سمجھتے' تیسرے وہ جو خود سیاستدان ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ زندگی قیمتی ہوتی جا رہی ہے' ہر سال ڈاکٹر فیس بڑھاتے ہیں تا کہ پتہ چلتا رہے انسان

کتنا قیمتی ہے۔ ہمارے ہاں دنیا کے سب سے قیمتی سیاستدان پائے جاتے ہیں' ایک ایک کئی کروڑ کا ہے۔ یونہی لوگ کہتے رہتے ہیں ہمارے سیاستدان بڑے "چیپ" ہیں' دنیا میں کوئی مسئلہ اتنا بڑا نہیں جتنے بڑے ہمارے لیڈر ہیں' ہمیں ان کی "قدر و قیمت" کا اندازہ نہیں۔ کہتے ہیں کسی چیز کی قدر و قیمت کا تب اندازہ ہوتا ہے جب وہ چھن جائے لیکن ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ جب تک وہ چیز ہمیں دوبارہ نہ مل جائے ہمیں پتہ نہیں چلتا کہ کیا چھنا تھا۔ ہمارے سیاستدان پارٹی لائن کے مطابق چلتے ہیں۔ ایک ایسے لیڈر ہسپتال میں داخل ہوئے' پوچھا "آپ کو کیا ہوا؟" کہا "ابھی تک ہائی کمان نے پارٹی لائن نہیں دی تب تک میں صرف بیمار ہوں۔" محتاط سیاستدان چاہتے ہیں کہ ان کی پجارو کے جتنے فارورڈ گیئر ہیں اتنے ہی ریورس گیئر بھی ہوں' ہم تو بائیوگرافی سے مراد ان کی آپ بیتی اور آٹو بائیو گرافی سے مراد ان کی گاڑی کی آپ بیتی لیتے ہیں۔

مرتضٰی بھٹو نے کہا ہے شیطان اور سیاستدان کہاں آرام کر سکتا ہے؟ ظاہر ہے وہیں آرام کر سکتا ہے جہاں اسے موقع ملتا ہے۔ سیاست دان صراط مستقیم پر اتنا چلتے نہیں جتنا جاگنگ کرتے ہیں' صراط مستقیم پر چلنے میں سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ راستے میں آپ کی کسی واقف کار سے ملاقات نہیں ہوتی۔ (یہاں واقف کار سے مراد کار کا واقف سمجھتے ہیں' زیادہ دوسرے کو سیاستدان ہی سمجھتے ہیں۔ انہوں نے جنرل نالج میں سپیشلائزڈ کیا ہوتا ہے' وہ خود کو حقیر' آپ کا خادم اور عوام کا نوکر کہتے ہیں۔ اگر بندہ ان کی بات سے اتفاق کر لے تو ناراض ہو جاتے ہیں۔ سیاستدان' ٹیکسی ڈرائیور اور جیب کترے دنیا میں ہر جگہ ایک جیسے ہوتے ہیں۔ سابق امریکی نائب صدر نیلسن راک فیلر نے ایک بار پریس کانفرنس میں بتایا کہ جب میں نیویارک کا میئر تھا تو ایک روز میں نے اخبار میں پڑھا ایک مالیاتی ادارے کے مقدمے سے مجھے بری کر دیا گیا ہے۔ یہ پڑھ کر میں بے اختیار خوشی سے ہنس دیا' سامنے میرا بیٹا بیٹھا تھا۔ بولا "ابو! آپ کو کیا ہوا ایک لخت اس ہنسی کی وجہ؟" میں نے کہا "بیٹا میں بری ہو گیا ہوں۔"

بیٹے نے معصومیت سے پوچھا "پاپا یہ بری ہونا کیا ہوتا ہے؟" میں نے بتایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے کچھ نہیں کیا۔ تو بیٹا سادگی سے بولا "پاپا میرے سکول کے ساتھی ہمیشہ یہی کہتے ہیں کہ تمہارے پاپا نے کچھ نہیں کیا۔"

کوئی پوچھے کہ دنیا میں کونسا درد سب سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے' دانت کا درد' گردے کا درد یا درد دل تو جواب ہے وہ جس میں آپ مبتلا ہیں۔ ایک سرجن سے کسی نے پوچھا' ملئنر سرجری کونسی ہوتی ہے؟ اس نے کہا وہ جو دوسرا سرجن کرتا ہے۔ ایسے ہی چھوٹا مسئلہ وہ ہوتا ہے جس میں دوسرا مبتلا ہوتا ہے' ہم نے ایک سیاستدان سے پوچھا چھوٹے بڑے کام میں کیا فرق ہے؟ کہا "چھوٹا کام وہ ہوتا ہے جو میرا مخالف سیاستدان کرتا ہے۔" پہلے بندہ جب اپنی خامیاں جاننا چاہتا تو شادی کر لیتا اب اس مقصد کے لئے سیاست میں آتا ہے۔ سیاستدان کبھی ریٹائر نہیں ہوتا کیونکہ اس کا یہ اعلان کرنا کہ وہ سیاست سے ریٹائرڈ ہو رہا ہے یہ بھی سیاست کرنا ہے۔ ایک بار باب ہوپ سے کسی نے کہا "آپ ریٹائرڈ کیوں نہیں ہو جاتے مزے کریں' مچھلیاں پکڑنے جائیں۔" اس نے کہا "مچھلیاں پکڑنے چلا تو جاؤں مگر مچھلیاں تالیاں نہیں بجاتیں۔" ہمارے لیڈر تالی کو تالہ کیسے لگائیں یہ تو مرنے کے بعد سیاست سے ریٹائر نہیں ہوتے کسی بھی ملک میں تبدیلی بلٹ سے آتی ہے یا بیلٹ سے۔ ہمارے ہاں جس تبدیلی میں سب سے زیادہ بلٹ چلے اسے بیلٹ سے تبدیلی کہتے ہیں۔ برے آدمی ان اچھے آدمیوں کی وجہ سے برسر اقتدار آتے ہیں جو ووٹ نہیں ڈالتے۔ عوام ان لوگوں کو منتخب کرکے بھیجتی ہے تا کہ وہ اسمبلی میں جا کر اپنے حقوق کی جنگ لڑ سکیں۔

بہرحال اگر سیاستدان مسئلہ ہیں تو سیاستدان کم کرنا اپنے مسائل کم کرنا ہے اور سیاستدان کم کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے وہ یہ ہے کہ ملک سے ناخواندگی کم کی جائے۔

- **فلم جمہوری بادشاہ**

جب سے محترمہ بے نظیر بھٹو نے کہا ہے کہ ہم کسی کو سلطان راہی نہیں بننے دیں گے' سلطان راہی کے علاوہ ہر اداکار سہا سہا لگتا ہے کیونکہ ہر چھوٹا اداکار اسی امید پر زندہ تھا کہ ایک دن وہ بھی سلطان راہی بنے گا' صرف وہی ناامید تھے جو ذرا سوہنے تھے۔ ہمارے ہاں تو فلمی ہیروئنیں تک سلطان راہی بننے کی کوشش میں رہتی ہیں۔ جب وہ بندوق پکڑ کر ڈائیلاگ بولتی ہیں تو ان میں سلطان راہی میں صرف مونچھ برابر فرق رہ جاتا ہے۔ ہمارا ایک جاننے والا زن مرید اداکار تو بہت ہی خوفزدہ ہے۔ خوف رو تو پہلے ہی تھا' وہ دن رات سلطان راہی بننے کے خواب دیکھتا رہتا۔ اس لئے وہ دن رات سویا رہتا تا کہ وہ یہ خواب مسلسل دیکھتا رہے۔ اگرچہ اس کی شکل ایسی ہے کہ وہ اور کچھ بن بھی نہیں سکتا۔ اس کے شناختی کارڈ پر شناختی نشان ہے "جسم پر منہ کا نشان" ------ خاندان ایسا کہ اس کے خاندان میں مقابلہ حسن ہوا تو کوئی نہ جیت سکا۔ پہلے اسے ڈر سے نیند نہ آتی کہ وہ سلطان راہی نہ بن سکے گا لیکن محترمہ بے نظیر بھٹو کے بیان کے بعد وہ اس ڈر سے نہیں سو سکتا کہ محترمہ بے نظیر بھٹو اسے سلطان راہی نہیں بننے دیں گی۔

سلطان راہی کے بغیر ہماری فلم ایسے ہی ہے جیسے سر درد بغیر سر کے۔ اسے دیکھو تو سب سے پہلے اس کے چہرے پر جو نظر آتا ہے' وہ غصہ ہی ہوتا ہے۔ پھر جھریاں اور جھر جھریاں۔ ذہانت اور شکل بچوں کو والدین کی طرف وراثت میں ملتی ہیں اور فلمیں سلطان راہی کی اولاد ہیں۔ ان کی ڈائیلاگ ڈلیوری ایسی ہے کہ ایسی ڈلیوری کوئی ڈاکٹر بھی نہیں کر سکتی۔ ایک بار ایک بچے نے بیس سر درد کی گولیاں کھا لیں۔ اس کی ماں اسے ڈاکٹر کے پاس لے گئی' ڈاکٹر نے کہا پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ سلطان راہی کی دو فلمیں دکھائیں' افاقہ ہو گا۔ اگرچہ ڈاکٹروں کی فیس کے بعد افاقہ بھی آ ... فاقہ ہی ہوتا

ہے۔ جس فلمساز نے سلطان راہی صاحب سے ڈیٹ لینا ہو' وہ اسی مسجد میں نماز پڑھنے لگتا ہے جہاں سلطان راہی صاحب پڑھتے ہیں۔ یوں نمازیوں کی تعداد سے پتہ چلتا ہے۔

سلطان راہی صاحب کے پاس کتنی فلمیں ہیں اور سلطان راہی ہمیشہ یہی دعا مانگتے ہیں اللہ کے گھر نمازیوں سے بھرے رہیں۔ گھوڑے پر بیٹھ بیٹھ کر فیصلے کرنے کی ایسی عادت پڑ گئی ہے کہ کرسی پر بیٹھ کر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ وہ جب اسٹوڈیو میں داخل ہوتے ہیں تو سٹوڈیو کی خوبصورتی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ وہ تو ہمارے پاس کھڑے ہو جائیں تو ہماری خوبصورتی میں اضافہ ہو جائے۔ جیسے ایک فرانسیسی گائیڈ سیاحوں کو فرانس کے سرحدی علاقے کی سیر کرا رہا تھا اور بتا رہا تھا یہاں انگریز توپ خانہ ہارا' یہاں انگریز گھڑ سوار ہارے' یہاں پیادہ انگریز فوج ہاری۔ سیاح نے پوچھا' انگریز کوئی لڑائی جیتا بھی؟ گائیڈ نے مضبوط لہجے میں کہا "جب تک میں گائیڈ ہوں' انگریز کوئی لڑائی نہیں جیت سکتا۔ سو جب تک سلطان راہی ہے' کوئی فلم کا راہی سلطان نہیں ہو سکتا۔ وہ کسرتی بدن ہیرو ہے جو "کثرتی" بدن ہیروئین کے ساتھ فلم میں یوں آتا ہے کہ دونوں کی وجہ سے ایک دوسرے کو نظر نہیں لگتی۔ ان کے سر میں اداکار بننے کا جنون تھا اب اداکار بن گئے ہیں۔ ہم نے ان کے ایک قریبی دوست سے پوچھا "اب ان کے سر میں کیا ہے؟" کہا "اب ان کے سر میں کچھ نہیں ہے۔" اداکاری ان کے خون میں شامل ہے اور خون ان کی اداکاری میں شامل ہے۔ جیسے اوپیرا وہ جگہ ہے جہاں بندے کو چھری ماری جائے تو خون کی بجائے اس کے منہ سے گیت نکلتا ہے۔ ایسے ہی ہماری فلم میں سلطان راہی گولی کھانے کے بعد یوں مسکراتا ہے جیسے اس نے سر درد کی گولی کھائی ہے۔ وہ لفظ "ڈر" کا مطلب نہیں جانتا' اگرچہ اسے تو اور لفظوں کے مطلب بھی نہیں آتے۔ بہرحال بارش میں نہاتی غسیلی ہیروئین اور پان و خون میں نہاتے غصیلے ہیرو کے چلانے سے فلم چلانے کے قابل ہوتی ہے۔ ہم نے پہلی بار ان کی فلم دیکھی تو شرمندگی ہوئی کیونکہ ہمیں کہانی کی سمجھ نہ آئی تھی۔ سلطان راہی تو سیاست دان بن نہیں سکتے کیونکہ انہیں کھل کر اداکاری کرنے کی عادت ہے البتہ جیسی پرفارمنس اور بڑھکیں سیاستدانوں

کی ہیں' اگر وہ فلم میں آ گئے تو سلطان راہی کو راہو بنا دیں گے۔

دنیا بھر میں اداکاری کرنے کا سب سے زیادہ معاوضہ سیاست میں ہی ملتا ہے۔ یہ نہ ہو کہ سلطان راہی یہ سوچنے لگے کہ اداکاری تو آتی ہے' اس کا معاوضہ بھی آنا چاہیے۔ جیسے ہمارے ایک دوست نے کہا کہ میں اپنے دونوں بیٹوں کو وکیل بناؤں گا۔ ہم نے وجہ پوچھی تو بولے "یہ شروع ہی سے دوسرں کے معاملات میں ٹانگ اڑاتے ہیں۔ اب میں چاہتا ہوں انہیں اس کا معاوضہ بھی ملے۔" لیکن سنا ہے سلطان راہی تو سیاست سے اتنا ہی دور رہتے ہیں جتنا سری لنکا کی کہاوت کے مطابق رہنا چاہیے۔ اس کے مطابق اگر سڑک پر چلتے ہوئے گاڑی سامنے آ جائے تو سڑک کے کنارے تک ہٹ جائیں' گھوڑا گاڑی ہے تو پانچ گز ہٹنا ضروری ہے' ہاتھی ہے تو دس گز ہٹ جائیں لیکن اگر کسی سیاستدان سے آمنا سامنا ہو تو فوراً سو گز ہٹ جائیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ محترمہ نے سیاستدانوں کو سلطان راہی نہ بننے کا کہہ کر انہیں اداکاری سے روکا ہو کیونکہ وہ اسمبلی کے اندر باہر جو کرتے ہیں' اس سے یہی لگتا ہے فلم "جمہوری بادشاہ" کی شوٹنگ ہو رہی ہے۔ اسمبلی میں تو اتنا شور ہوتا ہے کہ ایک رکن اسمبلی کے بقول مجھے تو اپنی آواز سننے کے لئے بھی ہیئرنگ ایڈ لگانا پڑتی ہے لیکن ہم خوش تھے کہ سیاستدان سلطان راہی بن رہے ہیں کیونکہ سلطان راہی کم از کم فلم میں ظالم کو تو ختم کر دیتا ہے مگر سیاسی سلطان راہی شاید یہ بھی نہ کر سکیں کیونکہ ان کو ختم کر دیا تو اعتماد کا ووٹ کس سے لیں گے۔

○○○

• ضیاء بیطس

آج کل تو بندہ کسی کو راہ چلتے بھی اپنی طبیعت کا بتا دے تو دوسرا فوراً مشورہ دینے لگتا ہے۔ اگر وہ مشورہ نہ دے تو یقین کر لیں' وہ ڈاکٹر ہو گا اور اگر وہ ڈاکٹر ہونے کے باوجود مشورہ دے رہا ہو تو ڈاکٹر سعید الٰہی ہو گا۔ انہوں نے اپنے تازہ مشورے کے مطابق سیاست کو مرض قرار دے کر اس میں مبتلا لوگوں کے علاج کے لئے فری خدمات پیش کر دی ہیں۔ ڈاکٹر کا مریض سے بلڈ کا رشتہ نہ سہی' بلڈ ٹیسٹ کا رشتہ تو ہوتا ہے۔ ہمیں تو لگتا ہے ڈاکٹر صاحب نے سیاست دانوں کو مریض کہہ کر ان سے اپنا رشتہ جوڑنے کی کوشش کی ہے۔ فری مشورہ دینا تو فری ہونے کا مشورہ دینا ہے۔ مشہور امریکی ڈاکٹر البرٹ وکیلوں کے چیمبر میں بیٹھا تھا۔ ڈاکٹر پاس ہو تو ہر بندہ خود کو مریض سمجھنے لگتا ہے اور کوئی نہ کوئی مشورہ مانگنا شروع کر دیتا ہے۔ وکیلوں کی انہی باتوں سے تنگ آ کر البرٹ نے دوست وکیل سے کہا "یہاں ہر کوئی مشورہ مانگے جا رہا ہے' بتاؤ میں کیا کروں؟" وکیل دوست نے کہا' گھر جا کر انہیں مشورے کا بل دینے کا نوٹس موصول ہو گیا۔ پھر سیاستدانوں اور ڈاکٹروں میں کبھی نہیں بنی۔ ان کو تو چوٹ بھی لگ جائے تو پہلے فون کرکے اخبار والوں کو بلاتے ہیں۔ ڈاکٹر کو بعد میں اطلاع کرتے ہیں البتہ ہمارے سیاستدان جب "ضیاء بیطس" میں مبتلا ہوئے تو روز ڈینٹل ڈاکٹروں کے پاس جانے لگے کہ پورے ملک میں وہی کہتا "منہ کھولو۔"

جیمس جونز نے کہا تھا کہ سیاست میں مبتلا ہونا ایسا ہی ہے جیسے ذیابیطس میں مبتلا ہونا' ذیابیطس وہ بیماری ہے جس میں بندہ شوگر میں خود کفیل ہو جاتا ہے۔ بھٹو دور میں جب شوگر ملیں قومیائی گئیں' مفتی محمود صاحب شوگر کے مریض تھے۔ جب پتہ چلا کہ ان کے اندر شوگر بن رہی ہے تو حکومت نے ان پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ ڈاکٹر سعید الٰہی بھی سیاست میں پاؤں رکھتے ہیں جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ جگہ ہی ایسی

ہے جہاں پاؤں ہی رکھا جا سکتا ہے۔ جب سابق وزیراعلیٰ بلوچستان تاج محمد جمالی نے کہا کہ سیاست شرفاء کا کام نہیں تو ہم نے اس بات پر فوراً یقین کر لیا تھا کیونکہ ہم جمالی صاحب کو پکا سیاستدان مانتے ہیں۔ اب ڈاکٹر صاحب نے کہا ہے یہ صحت مندوں کا کام نہیں تو بھی ہم نے مان لیا کیونکہ اپنی صحت کسے عزیز نہیں' محکمہ صحت بیماروں کی فلاح و بہبود کے لئے کام کرتا ہے۔ اس محکمے کے افسروں کی حالت دیکھ کر آپ کو اس کا یقین بھی آ جائے گا' بہرحال ہم سمجھتے ہیں بیمار ہونا دراصل ڈاکٹروں کی مالی امداد کرنا ہے۔ سو بحیثیت ڈاکٹر سعید الہی صاحب کو سیاستدانوں کے مریض ہونے پر ان کا احسان مند ہونا چاہیے کیونکہ علاج اتنا مہنگا ہے کہ "قرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"

جان ڈرائیڈن نے تو ایک بار کہا تھا' میں آپریشن کروانے کے بعد جب ہسپتال سے گھر آیا تو میرے ذہن میں یہی سوال تھا کہ نرس اور ڈاکٹر چہرے پر ماسک کیوں پہنتے ہیں حالانکہ یہ تو ہسپتال کے کیشیئر کو پہننا چاہیے۔ بہرحال اگر ڈاکٹر صاحب مریضان سیاست کو طبی سہولتیں بہم پہنچانا ہی چاہتے ہیں تو پہنچائیں لیکن ایک اور کام کریں' وہ یہ کہ سیاست میں آنے سے پہلے ہر کسی کا میڈیکل چیک اپ ہونا چاہیے۔ ایک دانشور کے بقول اگر کوئی بندہ کہتا ہے میں سیاستدان بننا چاہتا ہوں۔ ایسے بندے کے دماغ کا معائنہ کریں۔ اگر کچھ نہ ملے تو اسے سیاست میں آنے کی اجازت دے دیں لیکن اس میں یہ مسئلہ ہو گا کہ جسے میڈیکلی 'ان فٹ قرار دیا جائے گا' وہ کہے گا میرے ساتھ دھاندلی ہوئی ہے۔ جب انسپکٹر جعفر حسین نے حوالدار کرم داد سے پوچھا "سنا ہے تم پولیس میں بھرتی ہوتے وقت میڈیکلی ان فٹ ہو گئے تھے۔" تو اس نے کہا "دراصل میں غلطی سے اس طرف چلا گیا جہاں زنانہ پولیس کے لئے میڈیکل ہو رہا تھا' سو ان فٹ قرار پایا۔" ممکن ہے نا اہل سیاست دان بھی ایسی ہی توجیہہ پیش کریں۔ بہرحال سعید الہی صاحب ان ڈاکٹروں میں سے ہیں جو مارشل لاء دور میں "ضیاء بیطس" کے علاج میں لگے رہے۔ ان کی ڈکشنری میں ناممکن کا لفظ نہیں ہے' بہرحال ہم تو یہی مشورہ دے سکتے ہیں ڈاکٹر صاحب کو' کہ نئی ڈکشنری خریدیں۔

• ساسیات

کہتے ہیں جارج واشنگٹن نے کبھی جھوٹ نہ بولا تھا جس کی وجہ شاید یہ ہو کہ کسی نے کبھی اس سے یہ پوچھا ہی نہ تھا کہ ملک کا موجودہ مالی بحران کب ختم ہو گا۔ خیر سے اب تو امریکہ اتنا آگے نکل گیا ہے کہ پہلے جو کچھ وہاں کا صدر نہ کر سکتا تھا' اب عام آدمی تک کر سکتا ہے۔ جیسے جارج واشنگٹن جھوٹ نہیں بول سکتا' آج ہر امریکی بول سکتا ہے۔ جھوٹ دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک سفید جھوٹ اور دوسرا سرکاری اعداد و شمار۔ پچھلے دنوں امریکہ کے ایک تحقیقی ادارے نے کچھ اعداد و شمار شائع کئے جن کے مطابق 4 سے 10 سال کے بچے روزانہ چودہ ہزار الفاظ بولتے ہیں جب کہ 13 سے 20 سال کی عمر کے لڑکے لڑکیاں کم گو ہوتے ہیں۔ ان اعداد و شمار کے مطابق روزانہ سب سے زیادہ الفاظ بولنے کا اعزاز "ساس" نے حاصل کیا ہے جبکہ سب سے کم گو فوج کا سپاہی قرار پایا۔

صاحب! بولنے سے مشکل کام ایک ہی ہے' وہ ہے نہ بولنا۔ بیوی' ساس اور ڈاکٹر کی چپ کبھی اچھا شگون نہیں رہی البتہ فوجی کی چپ اس لئے کھٹکتی ہے کہ وہ چپ ہو تو اس کے جوتے بولتے ہیں۔ ہمیں آرمی اس لئے سب سے اچھی لگتی ہے کہ وہاں ملازمت کرنے والے کو صبح اٹھ کر یہ نہیں سوچنا پڑتا کہ آج کیا پہنا جائے؟ فوج کے سپاہی کو کہنا نہیں صرف کرنا ہوتا ہے۔ وہ پولیس کے سپاہی سے یوں مختلف ہوتا ہے کہ فوج کے سپاہی کو اس کا افسر آرڈر دے کہ یہ لو پانچ روپے اور جاؤ ایک پجارو خرید لاؤ تو وہ سلیوٹ مار کر خریدنے چلا جائے گا جب کہ پولیس کا سپاہی سلیوٹ مارنے سے پہلے پوچھے گا "سر ایک پجارو لانا ہے یا دو؟" بولنے کے لئے ہمارے ملک میں مقامی زبانوں کے ساتھ ساتھ اردو لینگوئج انگریزی لینگوئج اور باڈی لینگوئج استعمال ہوتی ہے۔ جہاں تک "ساس" کے اس اعزاز کی بات ہے تو اس سے قبل تو یہ اعزاز بیوی حاصل

کرتی ہے۔ امریکیوں کی ہی تحقیق ہے کہ بیوی ایک منٹ میں 225 الفاظ بول سکتی ہے جب کہ اس کا خاوند ایک منٹ میں 175 الفاظ سے تو زیادہ سن بھی نہیں سکتا البتہ ساس آواز کی رفتار سے بولتی ہے اور کسی رفتار سے نہیں سنتی۔

جو شخص کہے کہ مجھے ساس سے کوئی شکایت نہیں یقین کر لیں یا تو وہ جھوٹا ہے یا غیر شادی شدہ۔ ساسوں اور سانسوں کا کیا بھروسہ' ساسیں اکثر "جوڑوں" کے درد میں مبتلا رہتی ہیں جو جوڑا دیکھ لیں' اس کے درد میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ ساس کو کبھی حیران کرنے کی کوشش نہیں کرنا چاہیے ورنہ حیران رہ جاؤ گے۔ کہتے ہیں اخباری رپورٹر کے لئے دروازہ نہ کھولیں گے تو پھر آپ روشن دان سے ہی آئیں گے۔ ہم نے ایک دانشور سے پوچھا' ساس اور بچہ سب سے زیادہ کس کے قریب ہوتا ہے؟ جواب ملا "ٹوٹنے والی شے کے۔" صدر اور ساس ہمیشہ اس عمر کے ہوتے ہیں کہ وہ اپنی سالگرہ کے موقع پر موم بتیاں جلاتے جلاتے جب آخری بتی تک پہنچتے ہیں تو پہلی موم بتی ختم ہو چکی ہوتی ہے۔ ہم نے ایک ساس سے پوچھا "آپ کے پاس کہنے کو تو کچھ نہ ہو تو پھر کیا کرتی ہیں؟" کہا "بولنے لگتی ہوں۔" مغلیہ دور میں ایک گورنر اپنی ساس کی باتوں سے اتنا "متاثر" تھا' کہتا "اس کی ہر بات کے بدلے دل چاہتا ہے اس کا منہ موتیوں سے بھر دوں۔" زمانہ ساس کی سانس روکنے کا اس سے بہتر طریقہ کوئی نہیں۔ ایک امریکی نے ہم سے پوچھا کہ آپ کے ہاں دو تین اکٹھی شادیاں کرنے والے کو سزا کیوں نہیں ملتی؟ ہم نے کہا ہمارے ہاں بھی دوسری تیسری شادی کرنے والے کو سزا ملتی ہے' وہ ہے دوسری تیسری ساس۔ آپ پوچھیں گے "ساس کس وقت کچھ نہیں کہہ رہی ہوتی؟" جی ہاں! جب وہ بول رہی ہوتی ہے۔ بولنا اتنا مشکل کام ہے کہ ہمیں تو فی البدیہہ بولنے کی تیاری میں بھی تین چار دن لگ جاتے ہیں۔ جو ہمیں بور کرتے ہیں' ہم انہیں معاف کر دیتے ہیں مگر جنہیں ہم بور کرتے ہیں' ہم انہیں معاف نہیں کرتے۔ ہمیں دو کان اور ایک زبان اس لئے ملی کہ ہم آدھا بولیں اور پورا سنیں۔ لیکن

ساس عموماً اس عمر کی ہوتی ہے کہ اس کے کان صرف زیور لٹکانے کے ہینگر کے طور پر ہی کام آتے ہیں۔ سننے تک کے لئے تو اسے زبان استعمال کرنا پڑتی ہے۔

علم وہ دولت ہے جس پر زکوٰۃ ملتی ہے۔ بہرحال ہم سوچتے ہیں اگر سیاستدان اور صحافی اہل علم ہو گئے تو پھر صحافت اور سیاست کون کرے گا۔ ایسے ہی اگر ساس چپ ہو گئی تو پھر سناٹا بولے گا۔ ویسے ساس کو چپ رکھنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اس کا منہ چلتا رہا۔ منہ چلتا رہے' منہ رکے گا تو زبان چلے گی۔ ہمارے ہاں کوئی کہہ دے کہ اس کی ساس چپ ہو گئی ہے تو ہمسائے "فاتحہ آنا" انداز سے آنے لگتے ہیں۔ جیسے دو مونو لاگ کبھی ایک ڈائیلاگ نہیں بن سکتے۔ ایسے ہی ایک ساس آپ سے بات کر رہی ہو تو اسے Mono Logue کہتے ہیں۔ اگر دو ساسیں بات کر رہی ہوں تو اسے Cat-alogue کہتے ہیں۔ ہمارے ایک ادیب کے بقول ان کی تحریروں پر تنقید کرنے والے اہم نقادوں میں ڈاکٹر سلیم اختر' ڈاکٹر ممتاز حسن اور ساس ممتاز ہیں۔ پچھلے دنوں اندرون سندھ ایک بزنس مین کی ساس اغواء ہو گئی۔ ڈاکوؤں نے دھمکی دی کہ اگر تم نے دو دن کے اندر اندر دو لاکھ تاوان ادا نہ کیا تو ہم تمہاری ساس کو تمہارے گھر چھوڑ جائیں گے۔ ہمارے خیال کے مطابق پاکستان میں جو لاء ہمیشہ نافذ رہا' وہ مارشل لاء نہیں' مدر ان لاء ہی ہے۔ ہر کامیاب بندے کے پیچھے ایک کمی اب ساس پڑی ہوتی ہے۔ ساس کی شخصیت کا اندازہ اس بات سے نہیں لگایا جا سکتا کہ وہ کس بات پر بولتی ہے بلکہ اس پر کہ وہ کس پر نہیں بولتی' خاموش وہ بات ہوتی ہے جو آنکھوں سے سنی جاتی ہے لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ یہ تحقیق پاکستان میں ہوتی یہ اعزاز سیاستدان حاصل کرتے۔ صاحب! سالانہ جتنے الفاظ ان کے منہ سے نکلتے ہیں' اتنے گندم کے دانے نکلتے تو روٹی کبھی کھانے والے سے مہنگی نہ ہوتی۔ یہ مانا کہ سب سیاستدان لمبی لمبی تقریروں سے عوام کو بور نہیں کرتے۔ کچھ چھوٹی چھوٹی تقریروں سے بھی کرتے ہیں۔ آج کے سیاستدان اتنے باکمال ہو گئے ہیں کہ آج کے وزیراعلیٰ پنجاب منظور وٹو صاحب کی پانچ منٹ کی تقریر سابق وزیراعلیٰ وائیں صاحب کی گھنٹے کی تقریر کے برابر ہوتی ہے یعنی

اتنی ہی بور ہوتی ہے۔ البتہ سیاستدانوں میں یہ خوبی ہے کہ وہ سب سے زیادہ بولنے کے باوجود کچھ نہیں کہتے۔ ہم سمجھتے ہیں ساسیات اور سیاسیات میں یہ فرق ہے کہ سیاستدان ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیتا ہے جب کہ ساس دونوں کانوں سے سن کر ایک منہ سے نکالتی ہے۔

○○○

• آف ---- تاب

لیجئے صاحب! امریکیوں نے یہ دریافت کر لیا کہ آفتاب بوڑھا ہو گیا ہے۔ اگرچہ یہ اس کی تاب کو آف کرنے کی جسارت ہے' پھر بھی ہم حیران ہیں کہ امریکیوں کو کیسے پتہ چلا کہ سورج بوڑھا ہو گیا ہے۔ سورج دن کو مشرق میں ہوتا ہے اور رات گزارنے کے لئے مغرب کا رخ کرتا ہے۔ پھر مغرب کے ساحلوں میں حسن سورج کی طرف پرپوز کرنے والے پوز بنائے لیٹا ہوتا ہے جس بنا پر ہمیں اب بھی یقین ہے سورج جوان ہے لیکن امریکیوں کو تحقیق کرنے کا اتنا شوق ہے کہ "روٹس" کے مصنف بکسلے نے جب یہ کہا کہ میں اپنے "فور فادرز" کی تلاش میں ہوں تو پوری امریکی قوم اس طرف لگ گئی البتہ ایک سینیٹر نے کہا کہ میں اپنے فور فادرز کی بجائے سنگل فادر کی تلاش میں ہوں۔ وہ کہتے ہیں کولمبس نے امریکہ دریافت کیا' ہم تو کہتے ہیں کولمبس کو امریکہ نے دریافت کیا ورنہ اسے کون جانتا تھا۔ جہاں تک امریکہ کا تعلق ہے' وہ تو اتنا بڑا تھا کہ کولمبس کے لئے اسے دریافت کرنے کی بجائے دریافت نہ کرنا زیادہ مشکل تھا البتہ ہمارے ہاں کوئی "کولمبس" کہے کہ میں نے کچھ دریافت کیا ہے تو ہمیں یقین ہوتا ہے کہ اس نے کسی کی خیریت ہی دریافت کی ہو گی۔ ہم مشرقیوں نے ایک ایسی مشین ضرور دریافت کر رکھی ہے جو امریکی بھی نہیں کر سکے' یہ مشین کھانا پکاتی ہے' برتن دھوتی ہے' کپڑے بھی دھوتی ہے۔ کبھی کبھی بندے سمیت دھو ڈالتی ہے۔ اس مشین کو ہمارے ہاں بیوی کہتے ہیں۔ ہمارے ایک انجینئر دوست نے کیل ٹھونکنے کا وہ طریقہ دریافت کیا ہے جس میں ہتھوڑی آپ کی انگلی پر نہیں لگتی۔ ہم نے پوچھا "وہ کیا طریقہ ہے؟" وہ کہنے لگے "کیل ٹھونکتے وقت کیل کسی اور کے ہاتھ میں پکڑائیں۔" ہمارے ایک پروفیسر دوست نے مرض نسیاں کا علاج دریافت کیا تھا مگر وہ یہ بتانا بھول گئے کہ یہ علاج کیا تھا۔ سورج کا بوڑھا ہونا ہم اس لئے دریافت نہ کر سکے کہ اس

کے بال نہیں ہیں ورنہ وہ جونہی سفید ہوتے' ہمیں فوراً پتہ چل جاتا کہ سورج بوڑھا ہو گیا ہے۔ ویسے تو جب سے ہمارے اپنے بال سفید ہونے لگے ہیں' تب سے ہمیں یہ طریقہ بھی قابل اعتبار نہیں لگتا۔ یوں بھی بال اگر عمر کے حساب سے سفید ہوتے تو مونچھوں کے بال سر سے پندرہ بیس سال بعد سفید ہونے چاہئیں۔ عمر وہ راز ہے جو مرد کی ٹوپی اور عورت کی چوٹی تلے ہوتا ہے۔ عورت اپنی عمر بتانا تب بند کر دیتی ہے جب عمر خود ہی یہ بات بتانے لگے۔ کہتے ہیں سچی عورت وہ ہوتی ہے جو اپنی عمر' وزن اور خاوند کی تنخواہ کے علاوہ اور جھوٹ نہ بولے۔ اگر سورج "ہیننوں" کی بجائے "شینو" میں ہوتا تو ہم مانتے کہ واقعی اس کا بوڑھا ہونا دریافت کرکے امریکی سائنس دانوں نے کوئی معرکہ سر کیا ہے۔ ویسے ہم حیران ہیں کہ آخر سائنس دانوں نے سورج کو ہی یہ سب کیوں کہا؟ چاند کو بوڑھا کیوں قرار نہیں دیا؟ شاید شاعروں سے ڈر گئے ہوں کہ کہیں وہ شعر کوبی کو نہ آ جائیں۔ ویسے اگر وہ چاند کو بوڑھا کہہ دیتے تو ہماری پوری شاعری خطرے میں پڑ جاتی کہ جہاں جہاں محبوب کو چاند کہا گیا' وہاں اس سے مراد محبوب کا بڈھا کھوسٹ ہونا لیا جاتا۔ یوں وہ چندا ماموں کی بجائے چندا سسر کہلاتا۔ ویسے تو اب بھی پتہ نہیں شاعر محبوبہ میں کیا دیکھتے ہیں جو اسے چاند کہتے ہیں کیونکہ چاند تو مذکر ہے۔ پھر محبوب کو چاند کہنا ویسے بھی اس کے کردار پر شک کرنا ہے کہ چاند تو رات کو لوگوں کے صحنوں میں اترتا ہے۔ سائنس دان سورج پر اور آرٹسٹ چاند پر نظر رکھتے ہیں۔ اگرچہ اپنی غلطیوں اور سورج پر نظر رکھنے سے نظر نہیں رہتی اور چاند پر نظر رکھنے سے دل نہیں رہتا۔ ہنری مور مجسمہ ساز نے کہا ہے کہ آرٹ کا تعلق فرد سے ہوتا ہے۔ اگر شیکسپیئر ہیملٹ نہ کرتا تو کوئی بعد میں آنے والا کر دیتا۔ گویا اگر امریکی سائنس دان سورج کو بوڑھا قرار نہ دیتے تو کوئی اور بے قرار دے دیتا۔ البتہ یہ پتہ نہیں چلا کہ امریکیوں نے زیادہ محنت سورج کو بوڑھا دریافت کرنے پر کی ہے یا بوڑھا کرنے پر کی ہے۔

ہمارے "پر شور" شاعر نحیف کمزور آبادی جن کے ہاں کا "شعر قورمہ" بڑا چلتا ہے' ان

کے بقول اگر سورج دن کی بجائے رات کو نکلتا تو زیادہ مفید ہوتا' بجلی کی بچت ہوتی۔ پھر دوسرے شعراء کی شاعرانہ عظمت پر روشنی ڈالنے کے لئے بلب کی ضرورت نہ پڑتی۔

رات کو دھوپ میں بیٹھ کر "شعر گوشیاں" کرنے کا مزا آ جاتا۔ ان کے خیال میں سورج اگر بوڑھا ہوا بھی ہے تو اس کا باعث اہل یورپ میں جو پانی کی بجائے سورج سے باتھ کرتے ہیں۔ یہ نحیف صاحب کی "غل بقولی" ہے کہ اگر سورج نہ رہا تو اہل مغرب بالکل نہیں نہائیں گے۔ پہلے بھی وہ صرف فلموں میں ہی نہاتے ہیں۔ بہرحال نحیف کمزور آدمی صاحب اس پر خوش ہیں کہ سن نہ ہو گا تو امریکیوں کی Sunday کی چھٹی ماری جائے گی۔

مہاتما بدھ نے کہا تھا' دنیا دکھوں کا گھر ہے لیکن یہ اسے تب لگی جب وہ بوڑھا ہو چکا تھا۔ بہرحال ہمیں سورج میں کوئی بوڑھوں والی بات نظر نہیں آئی۔ بچپن میں سورج گرہن لگتا تو ماں کہتی "بیٹا اسے زیادہ پاس سے نہ دیکھنا۔" سورج شروع سے ہی ناقابل اعتبار رہا ہے۔ سردیوں میں جب اس کی ضرورت ہوتی ہے' یہ غائب رہنے لگتا ہے۔ گرمیوں میں جب بندہ اس سے جان چھڑانا چاہتا ہے' یہ سر پر آن کھڑا ہوتا ہے۔ پھر رات بھر غائب رہتا ہے اور ہم روز علی الصبح اسے ہمسائیوں کے گھر سے نکلتا دیکھتے ہیں۔ یہ ساری نوجوانوں والی حرکتیں ہیں۔ دن یہاڑے جو وہ کرتا ہے' اسے دیکھ کر بندہ پسینہ پسینہ ہو جاتا ہے۔ ممکن ہے امریکیوں نے بوڑھا ہونے والی بات سورج کو جلانے کے لئے کہی ہو' ایسی باتیں سن کر وہ اور گرم ہو سکتا ہے۔

○○○

- **ابو الخبائث**

ہمیں اس سے کبھی دلچسپی نہیں رہی کہ قیمہ' قتلمہ اور قانون کیسے بنتے ہیں۔ جہاں تک آخر الذکر کا تعلق ہے' ایک مفکر کہتا ہے۔ "تمام قوانین غیر قانونی ہوتے ہیں کیونکہ جو اچھے ہیں' انہیں قانون کی ضرورت نہیں اور جو برے ہیں' وہ اس سے اچھے نہیں ہو سکتے۔"

خیر مفکر کا تو کام ہی فکر مند کرنا ہوتا ہے۔ بہرحال پہلے پولیس قانون کے "زیر استعمال" ہوتی' اب قانون پولیس کے "زیر استعمال" ہوتا ہے۔ پولیس جرائم کی روک تھام کرتی ہے جس میں روک کم اور تھام زیادہ ہوتی ہے۔ کسی نے پوچھا "زمانہ قدیم میں اتنے جرائم کیوں نہیں ہوتے تھے؟" جواب ملا' اس لئے کہ اس وقت محکمہ پولیس نہیں تھا۔" لیکن ہمیں حیرانی ہوئی کہ پولیس کے ہوتے ہوئے پنجاب میں جرائم میں 50 فیصد کمی آ گئی ہے اور سرکاری ذرائع کے مطابق یہ کمی موٹر سائیکل پر دوہری سواری بٹھانے پر پابندی کی وجہ سے ہوئی ہے۔

ہمیں موٹر سائیکل کے ابوالخبائث ہونے کا علم نہ تھا البتہ ہم نے اسے اسی دن سے شک کی نظر سے دیکھنا شروع کر دیا تھا جب ہمارے ایک دوست کے بیٹے نے اپنے والد کی دھمکی دی تھی کہ یا تو میری شادی کر دیں یا مجھے موٹر سائیکل لے دیں۔ ہم نے دوست سے کہا "ہو سکتا ہے موٹر سائیکل لینے سے آپ کے بیٹے کا رویہ بہتر ہو جائے۔" کہا "نہیں البتہ اس سے رویہ دور دور تک پھیل ضرور جائے گا۔"

پاگل اور بیوقوف میں یہ فرق ہوتا ہے کہ اگر آپ موٹر سائیکل چلا رہے ہوں تو جو آپ سے سست چلا رہا ہے' وہ بے وقوف ہے اور جو آپ سے تیز چلا رہا ہوتا ہے' وہ پاگل ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے آپ پوچھیں جو سب سے تیز چلا رہا ہو وہ کیا ہوتا ہے؟ تو صاحب وہ کبھی ہوتا ہے اور اکثر نہیں ہوتا۔ موٹر سائیکل کے پیچھے بیٹھنے میں ہمیں یہی برائی

نظر آتی ہے کہ آپ منزل پر پہنچنے کے بعد بھی آگے بیٹھنے والے سے پیچھے ہی ہوتے ہیں۔ موٹر سائیکل پر دوسری سواری بٹھانے کی پابندی سے سڑکوں پر امن و امان ہوا ہے یا نہیں البتہ کم تنخواہ پانے والے شادی شدہ سپاہیوں کے گھروں میں امن و امان ہوا ہے۔ موٹر سائیکل کے پیچھے بیٹھنا وہ جرم ہے جسے ایک ڈیسیکو بھی ڈیٹیکٹ کر سکتا ہے لیکن کل رات ہم نے تین جوانوں کو ایک سپاہی سے بحث کرتے دیکھا۔ سپاہی کہہ رہا تھا' تم نے قانون کی خلاف ورزی کی ہے۔ وہ کہہ رہے تھے "قانون کے مطابق رات کو موٹر سائیکل پر ڈبل سواری جرم ہے لیکن اس موٹر سائیکل پر دو بندے نہیں بیٹھے تھے' ہم تو تین تھے۔"

ایسا منظر انڈونیشیا میں بھی دیکھنے میں آیا۔ ایک وزیر پر یہ الزام تھا کہ اس نے دوسری شادی کی ہے اور ملکی قانون کے مطابق دوسری شادی کرنے والے کو وزارت سے نکال دیا جاتا ہے تو وزیر موصوف نے کہا "آپ مجھے وزارت سے نہیں نکال سکتے کیونکہ میں نے دوسری شادی نہیں کی' یہ تو میری تیسری شادی ہے۔"

فرانس میں یہ قانون پاس ہوا کہ وہ انگریزی الفاظ جن میں فرانسیسی میں متبادل موجود ہے' جو شہری بولے گا اسے جرمانہ ہو گا۔ ایک صحافی کو اس پر جرمانہ ہوا تو اس نے عدالت میں کہا "میں نے ایسا کوئی لفظ نہیں بولا۔" تو گواہ نے کہا' میں نے خود اسے لفظ "ویک اینڈ" بولتے سنا ہے جس پر عدالت نے فوری طور پر انگریزی بولنے کے جرم میں گواہ کو جرمانہ کر دیا۔

ہمارے گوجرانوالہ کے ایک عزیز کے ساتھ سنگاپور میں بھی ایسا ہی ہوا۔ موصوف نے سڑک پر کاغذ پھینکا جس پر اسے پانچ سو ڈالر جرمانہ ادا کرنے کو کہا گیا۔ اسے بہت غصہ آیا لیکن جب جرمانہ ادا کرنے کے سوا کوئی اور صورت نظر نہ آئی تو اس نے غصے میں آ کر پانچ سو ڈالر سڑک پر پھینک دیئے جس پر اسے سڑک پر پھر کاغذ پھینکنے پر مزید پانچ سو ڈالر جرمانہ ہو گیا۔

صاحب! ایک بار جیل میں ہم نے قیدی سے پوچھا تھا "انسان سے غلطی ہو ہی جاتی ہے

سو پتہ تو چلے تم کس وجہ سے جیل میں ہو؟"

"پکڑے جانے کی وجہ سے۔"

سو جرم قانون کی خلاف ورزی نہیں' جرم پکڑے جانے کو کہتے ہیں۔ ویسے بھی ہمارے ہاں لاء غریب کے لئے تو اردو کا "لا" ہے یعنی جو کچھ بھی ہے لا بلکہ اور "لا" جبکہ امیر کے لئے لاء عربی کا "لا" ہے۔

بہرحال جب سے ہمیں یہ پتہ چلا ہے کہ موٹر سائیکل پر دوسری سواری پر پابندی لگانے سے پچاس جرائم کم ہو گئے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں' پہلی سواری پر پابندی لگا دی جائے تا کہ باقی پچاس فیصد جرائم بھی ختم ہو سکیں کیونکہ جرائم کی وجہ سے گھروں کی یہ حالت ہے کہ ہم نے ایک جاننے والے کے گھر فون کیا۔ بچی نے ریسیور اٹھایا' ہم نے پوچھا "آپ کے بھائی ہوں گے' ان سے بات کرا دو۔" بچی نے کہا "وہ غسل خانے میں ہیں۔" ہم نے کہا "اور گھر میں جو کوئی بھی ہے' امی یا باجی کسی سے بھی بات کرا دو۔" بچی گھبرا گئی۔ ہم نے پوچھا "کیا گھر میں کوئی نہیں؟" ڈرتے ڈرتے بولی "ہیں! ہیں کیوں نہیں۔" پوچھا "کہاں ہیں؟" بولی "غسل خانے میں۔"

○○○

• قذافی اور قذافی

ہمیں یہ تو نہیں پتہ پہلے کرکٹ سیاست میں آئی یا سیاست کرکٹ میں آئی لیکن جب سے یہ پتہ چلا ہے کہ امریکی حکمران ورلڈ کپ کے لئے قذافی اسٹیڈیم کا نام تبدیل کرانا چاہتے ہیں' سمجھ نہیں آ رہی کہ وہ ایسا کیوں چاہتے ہیں؟ ویسے امریکی پہلے کون سے ہماری سمجھ میں آتے ہیں۔ ہمیں تو جو سمجھ نہ آئے اسے امریکی سمجھتے ہیں۔ امریکیوں اور وکیلوں کے بارے میں بڑے لطیفے ہیں مگر ان کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ خود یہ سمجھتے ہیں' یہ ہنسنے والے نہیں اور دوسرے یہ سمجھتے ہیں یہ لطیفے نہیں ہیں۔ جیسے کیٹ واک میں یہ مسئلہ ہے کہ جیت بھی جائیں تب بھی کیٹ ہی کہلائیں گے۔ ایسے ہی امریکیوں میں اور کوئی خامی ہو نہ ہو' وہ امریکی ضرور ہوتے ہیں۔ امریکہ ہمارا بڑا قریبی ہے۔
ہمارے بڑے سرکاری افسروں کو جتنی دیر اپنے گھر سے امریکہ جانے میں لگتی ہے اس سے زیادہ دیر گھر سے دفتر جانے میں لگتی ہے۔ ایک شاعر نے پوچھا "کسی عورت کو دیکھ کر یہ خواہش پیدا ہوئی کہ تمہاری شادی نہ ہوئی ہوتی؟" کہا "ہاں" پوچھا "کسے دیکھ کر؟" کہا "اپنی بیوی دیکھ کر" ------ ایسے ہی امریکہ کو دیکھ کر ہمارے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی کہ کاش یہ پاکستان میں ہوتا۔ امریکہ سے ہمارا کیا رشتہ ہے' اس کی ہمیں سمجھ نہیں آتی کیونکہ ہم شادی شدہ نہیں ہیں۔ ہم لوگوں نے جس سے محبت کا اظہار کرنا ہو' اس کے نام پر اپنے بچوں کے نام رکھنے لگتے ہیں۔ ہمارے بچوں کی تعداد سے آپ اندازہ لگا لیں کہ ہم کتنی محبت کرنے والے لوگ ہیں۔
قذافی اسٹیڈیم ہماری کرنل قذافی سے محبت کی نشانی ہے۔ ہمارے ایک دوست ایک عمارت کا نام بل کلنٹن رکھ رہے ہیں۔ ہم نے پوچھا "کیا کوئی سٹیڈیم ہے؟" کہا' نہیں! ذرا کمپلیکس ہے۔
بل کلنٹن مہینے کی ابتدائی تاریخوں میں پیدا ہوئے' ان تاریخوں میں گھروں میں اکثر بل

آتے ہیں' اسی لئے اس کا نام بل رکھا گیا۔ کسی نے ان سے پوچھا' ہیلری آپ کو کیا کہہ کے بلاتی ہے؟ کہنے لگے "اس نے جو کہنا ہوتا ہے' وہ بلا کر کہتی ہے۔" ہیلری نے اب انہیں بڑا تیز کر دیا ہے ورنہ جب وہ زندگی کی پہلی نوکری کے لئے گئے تو انٹرویو لینے والے نے ان سے کئی سوال پوچھے اور کہا "آپ کو ہر سوال کا جواب صحیح صحیح پتا ہے لیکن ایک بات کا پتا نہیں۔" پوچھا "کون سی بات کا؟" کہا "یہ آپ کے سوٹ کا صحیح سائز کیا ہے؟" ان کی بیٹی سے کسی نے پوچھا تھا "آپ کی امی ابو کو کیا کہتی ہیں؟" کہا "اب کچھ نہیں کہتیں' اب وہ انہیں اچھے لگتے ہیں۔" بہرحال امریکی اتنے محتاط ہیں کہیں ان کو خواب میں کانٹا نہ چبھ جائے اس لئے جوتے پہن کر سونے لگتے ہیں۔ اسی لئے وہ قذافی کے نام سے بھی ڈرتے ہیں۔ شکر ہے ہمارے کسی کھلاڑی کا نام قذافی نہیں ورنہ اگر وہ چوکا یا چھکا لگا دیتا تو وہ اسے دہشت گرد ڈکلیئر کر دیتے۔
ہمیں کھلاڑیوں میں جان شیر خان پسند ہیں۔ وہ ہمیشہ اس لئے جیت جاتا ہے کہ مخالف شیر خان سے کھیل رہے ہوتے ہیں جب کہ شیر خان گیند سے کھیل رہا ہوتا ہے۔
بہرحال اب کھلاڑیوں کے نام بھی امریکہ سے پوچھ کر رکھنا پڑیں گے۔ حکمرانوں کے نام تو پہلے ہی ان سے پوچھ کر رکھے جاتے ہیں۔ کہیں ایک مبصر کہہ رہے تھے' امریکہ کے لئے بے نظیر بھٹو اور نواز شریف ایک ہی نام ہے۔ مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے فرمایا تھا "بے نظیر اور نواز شریف میں کوئی فرق نہیں۔" جس پر مولانا معین الدین لکھوی نے کہا "بڑا فرق ہے' نواز شریف منڈواتا ہے البتہ مولانا فضل الرحمٰن اور بے نظیر میں کوئی فرق نہیں' مولانا فضل الرحمٰن بھی داڑھی نہیں منڈواتے۔"
نام کی اہمیت کا اس سے اندازہ لگا لیں کہ اس لوڈ شیڈنگ کے دور میں بھی ہر کوئی اپنا نام ہی روشن کرنا چاہتا ہے۔ مارشل لاء کے دنوں کے ڈر سے سیاستدان آج بھی جنرل کے نام سے اتنا دبکتے ہیں کہ ان کے سامنے جنرل نالج کا ذکر کر دو تو گھبرا جاتے ہیں۔ ویسے بھی انہیں صرف اپنے نام سے کام ہے حالانکہ کام سے نام ہوتا ہے۔ ضیاء

الحق کے دور میں سڑکوں، عمارتوں کے نام ایسے رکھے گئے کہ جتنی دیر رکشے والے کو سڑک کا پورا نام بتانے میں لگتی ہے بھلے وقتوں میں اتنی دیر میں وہ اس سڑک تک پہنچا آتا تھا لیکن ہم اس پر خوش ہوئے کہ برطانیہ کے بادشاہوں تک کو ناموں کا مسئلہ درپیش تھا۔ انہیں جو دو تین نام میسر تھے، ان پر نمبر شمار لگا کر گزارہ کرتے رہے جیسے جارج دہم وغیرہ۔ ابن انشاء نے فرمایا ہے کہ ہمارے ہاں فیملی پلاننگ کا اتنا چکر جو چلایا جا رہا ہے، یہ دراصل اس ڈر سے نہیں کہ خوراک ختم ہونے والی ہے بلکہ اس ڈر سے کہ نام ختم ہونے والے ہیں۔ ایک نام مہنگائی بچا تھا، وہ ایک شاعر دوست نے اپنی بچی کا رکھ دیا اور پھر وہ دنوں میں جوان ہو گئی۔ مہنگائی وہ بچی ہے جس کی ہر سال جون میں سالگرہ ہوتی ہے۔ شاعر تو ویسے بھی انوکھے نام رکھتے ہیں۔ ہم نے پنجابی کے مشہور شاعر بابا بھلا مانس صاحب سے پوچھا، آپ نے یہ نام کیوں رکھا تو کہنے لگے، اس لئے کہ لوگوں کو مجھ تک پہنچنے میں آسانی رہتی ہے۔ ایک میں ہی تو بھلا مانس شاعر ہوں، قذافی اسٹیڈیم کا نام تبدیل کرنے کے معاملے میں ہمیں حکومت کے نقطہ نظر بلکہ نکتہ نظر کا پتہ نہیں۔ ویسے پچھلی حکومتوں کے قول و فعل میں بڑا تضاد تھا، وہ جو کہتی تھی، کرتی نہیں تھیں لیکن اس حکومت کے قول و فعل میں تضاد نہیں۔ یہ کہتی ہے نہ کرتی ہے۔ یوں بھی زمانہ بدل گیا ہے، بقول یوسف اب تو تیتر بھی "سبحان تیری قدرت" نہیں پکارتے "سلطان تیری قدرت" کہتے ہیں۔ پچھلے دنوں ایک مقامی سکول میں ذہنی آزمائش کے مقابلے میں اشاروں سے پوچھے گئے ہیرو کا نام بتانا تھا، صحیح جواب تھا "سلطان ٹیپو" بچے نے کہا "سلطان راہی" تو کمپیئر نے فرمایا "چونکہ اس نے پہلا نام صحیح بتایا ہے، اس لئے انعام کی آدھی رقم ملے گی۔" تبدیلی یہاں ہی نہیں آئی، امریکہ میں بھی آئی ہے۔ وہاں جارج واشنگٹن ایک جھوٹ نہ بول سکتا تھا، اب وہاں ہر امریکی بول سکتا ہے۔ ابراہیم لنکن ایک کتاب مانگنے کے لئے 9 میل پیدل چل کر جاتا، اب اس کے یوم پیدائش پر لائبریریاں بند ہوتی ہیں۔ کہتے ہیں تعریف سے خوشامد کرنا آسان

ہے۔ اس لئے ہم امریکہ کی تعریف کم ہی کرتے ہیں۔ اس سے برابر کی سطح پر تعلقات چاہتے ہیں یعنی کبھی اس نے اپنی بات منوا لی' کبھی ہم نے اس کی بات مان لی۔ اگرچہ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ امریکہ وہ ڈنٹسٹ ہے جو بغیر درد کے دانت نکالتا ہے' جی ہاں دانت نکال دیتا ہے' درد رہنے دیتا ہے۔

شیکسپئر نے کہا تھا' نام میں کیا رکھا ہے' گلاب کو جس نام سے بھی پکارو' وہ خوشبو دے گا لیکن شیکسپئر کو شاید یہ پتہ نہ تھا کہ گلاب کو کسی اور نام سے بازار میں بیچو تو اتنے پیسے کوئی نہ دے گا' سو نام بدلنے سے بڑا فرق پڑتا ہے۔ امریکی یونیورسٹی کے فزیالوجی کے پروفیسر کو واش روم کے لئے شیشہ چاہیے تھا۔ انہوں نے ریکوزیشن بنا کر بھیجی تو ان کی ڈیمانڈ پر یہ اعتراض لگا کر لوٹا دی گئی کہ یہ "نان سائنٹیفک" سامان ہے۔ پروفیسر صاحب کو ہر حال میں شیشہ چاہیے۔ انہوں نے اسے حاصل کیا۔ پتہ کیسے! انہوں نے اگلی مرتبہ ریکوزیشن میں سائنسی ٹرمنالوجی استعمال کرتے ہوئے نام بدل کر لکھا کہ مجھے ایک Human Reflector چاہیے اور مل گیا۔ بہرحال یہ ہو سکتا ہے کہ ایف سولہ کی عدم ادائیگی کے سلسلے میں امریکہ کو خوش کرنے کے لئے نیا اسٹیڈیم بنا کر اسے قذافی اسٹیڈیم کا نام دے دیا جائے۔

○○○

• Suffer نامہ

صاحب! ہمیں تو سفر نامہ پڑھ کر ہمیشہ یہی لگا کہ Suffer تو پڑھنے والے کو ہی کرنا پڑتا ہے۔ بہرحال ہمارے ہاں چھپنے والے برے سے برے سفر نامے میں بھی یہ خوبی ضرور ہوتی ہے کہ وہ ختم ہو جاتا ہے۔ ہمارے ایک انجینئر دوست ایک مصنف کا نیا سفر نامہ اٹھا کر لے گئے مگر تھوڑی دیر بعد یہ کہہ کر واپس کر گئے کہ یہ تو بیکار ہے۔ ہم نے پوچھا کیسے؟ کہا اس میں تو ایک صفحہ بھی خالی نہیں ہے۔ بہرحال ہمیں ایک قاری نے سفر نامہ لکھ کر بھیجا ہے جو نارووال سے لاہور آنے والی 76 ڈاؤن ایکسپریس کا Suffer نامہ ہے۔ صاحب ٹرین میں اور کوئی خوبی ہو نہ ہو' پھر بھی یہ کیا کم ہے کہ اس دور میں بھی وہ صراط مستقیم پر چلتی ہیں۔ ہماری ٹرینیں ایسی ہیں کہ ایک امریکی نے پاکستان کو اپنے ملک کے وسیع رقبے کا احساس دلانے کے لئے کہا "ٹیکساس میں علی الصبح گاڑی میں سوار ہوں تو 24 گھنٹے کے بعد بھی بندہ ٹیکساس میں ہی ہوتا ہے۔" تو پاکستانی نے کہا "اچھا میں تو سمجھا ایسی سست ٹرینیں صرف ہمارے ہاں ہی ہیں۔" یہ الگ بات ہے کہ 76 ڈاؤن ایکسپریس ایسی تیز ٹرین ہے کہ اس وقت تک پتہ ہی نہیں چلتا کہ وہ چل رہی ہے یا رکی ہوئی ہے' جب تک بندہ نیچے اتر کر نہ دیکھے۔ بہرحال یہ پتہ کرنا آسان ہے کہ وہ کس طرف جا رہی ہے۔ جس طرف انجن لگا ہو' اس طرف جا رہی ہو گی۔ ہم نے سوچا موصوف ٹرین کے لیٹ ہونے کا لکھیں گے کیونکہ اب تو جو یہ پوچھے کہ گیارہ بجے والی ٹرین کتنے بجے آتی ہے' سمجھ لیں Train-ed ہے۔ ہمیں یاد ہے ایک بار 76 ڈاؤن ایکسپریس کو صبح سات بجے آنا تھا اور وہ پورے سات بجے پہنچ گئی' جی ہاں شام سات بجے۔ مگر نومولود سفر نامہ نگار لکھتے ہیں' وہ صرف ایک گھنٹہ گاڑی پر سوار رہے۔ اگرچہ گاڑی اب تک ان پر سوار ہے۔ کہتے ہیں سامان میں میرے پاس کچھ بھاری نہ تھا سوائے سر کے۔ ڈبے میں تل دھرنے کو جگہ نہ

تھی۔ سو تل باہر دھر کے اندر جانا پڑا۔ رش ایسا تھا کہ اچھی بھلی تصویریں بھی رش پرنٹ لگ رہی تھیں۔ کبھی کبھی ہوا کا جھونکا آتا جو کھڑکی کی بجائے قریبی منہ سے

آتا۔ ایسے ہی موقع پر ایک اسکاٹ باشندے نے ڈبہ خالی کرانے کی یہ ترکیب بتاتے ہوئے کہا گاڑی کے پیچھے ایک اور خالی بوگی لگائی گئی ہے۔ سارے اسکاٹ باشندے اتر کر اس بوگی کی طرف چل دیئے' وہ اکیلا رہ گیا مگر تھوڑی دیر بعد وہ بھی یہ سوچ کر اس ڈبے سے اتر کر دوسروں کے پیچھے چل دیا کہ ضرور خالی بوگی لگائی گئی ہو گی' اسی لئے تو سب اتر کر اس طرف جا رہے ہیں۔

بہرحال قاری کا سفر نامہ یہ ہے کہ گاڑی ابھی چلی ہی تھی کہ ویکیوم بریک لگی۔ پتہ چلا دور ایک دودھ والا اپنا ڈرم اٹھائے آ رہا ہے' اس کا انتظار ہے۔ وہ سوار ہوا' گاڑی چلی ہی تھی کہ ایک گھر سے آواز آئی "ملکا گڈی روکنا میرا تھوڑا دودھ دوہنے والا رہ گیا ہے۔" وہ گاڑی سے اپنے صحن میں پانی سے دودھ دھو کر صاف کرتا صاف نظر آ رہا تھا' ویکیوم بریک لگی اور اس کا انتظار ہونے لگا۔ جے سنگھ والا شاپ پر تو ایک دیہاتی شیو بنوا رہا تھا۔ سو ویکیوم بریک لگا کر اس کا انتظار کیا جانے لگا وغیرہ وغیرہ۔

صاحب! پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمیں یہ سفر نامہ لگتا ہی نہیں کہ اس میں سفر نامہ کی کوئی لڑکی ہی نہیں ملی۔ ہمارے ہاں تو سفر ناموں میں اگر مردوں کے نام ہوں تو یقین کر لیں کہ وہ ناشر' کاتب اور ٹائٹل بنانے والوں کے ہوں گے۔ ہم نے ایک سفر نامہ نگار سے پوچھا "اگر آپ کے سفر نامے سے لڑکیاں نکال دی جائیں تو باقی کیا رہ جائے گا؟" کہا "خواتین" ------ ہو سکتا ہے ہمارے قاری کو لڑکیاں نظر ہی نہ آتی ہوں جو اور بھی خطرناک بات ہے کہ جنہیں نظر نہ آئے وہ چیزوں کو ٹٹول ٹٹول کو پہچانتے ہیں۔

بہرحال یہ تحریر پڑھ کر ہمیں اتنا پتہ چلا کہ ہم ایسے ہی محکمہ ریلوے کے خلاف تھے' اتنی اچھی سروس تو دنیا کی کسی ریلوے کی نہ ہو گی کہ ادھر مسافر دیکھا ادھر گاڑی روک کا استقبال کیا۔ ہمیں تو لگتا ہے شوکت تھانوی صاحب نے "بدیشی ریل" کو جو

خواب دیکھا تھا' وہ پورا ہو گیا ہے۔ ہو سکتا ہے محکمہ ریلوے اپنی کارکردگی مزید بہتر بنانے کے لئے یہ کرے کہ گاڑی جس اسٹیشن پر رکے' ڈرائیور اور گارڈ گھر گھر جا کر پتہ کریں کہ آپ کو کہیں جانا تو نہیں۔ اگر جانا ہے تو آپ تیار ہو جائیں' ہم آپ کے منتظر ہیں۔

○○○

- **گاؤ ماتا اور گاؤ! ماتا**

جسے کسی کا بھی گانا پسند نہ آئے یقین کر لیں کہ وہ مولوی ہے یا خود گلوکار ہے۔ سو ہمیں گانے تو اتنے پسند آ ہی جاتے ہیں مگر گلوکاری کتنی کاری ہوتی ہے' اس کا علم اس بندے جتنا ہی ہے جس سے کسی نے پوچھا' یہ آسمان پہ چاند ہے یا سورج؟ تو اس نے کہا "میں اس شہر میں اجنبی ہوں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔" لیکن ہم بچپن ہی سے ملکہ ترنم نورجہاں کے بڑے "پن" سے اتنے آگاہ ہیں کہ سکول میں تاریخ کا ماسٹر پوچھتا "مغل بادشاہ جہانگیر کی جس بیگم نے عطر دریافت کیا تھا' اس کا نام کیا تھا؟" تو ہم کہتے ہیں "ملکہ غیر ترنم نورجہاں" ------ گزشتہ دنوں ملکہ ترنم صاحبہ نے اخباری بیان دیا ہے کہ اگر میں بھارت میں ہوتی تو میری پوجا ہوتی۔ جیسے ایک دانشور نے کہا تھا' کرنل محمد خان کی "بجنگ آمد" پڑھ کر ان سے ملنے کی خواہش پیدا ہوئی لیکن اسی دوران ان کی "سلامت روی" شائع ہو گئی۔ ایسے ہی ہمارے دل میں بھی ایسی خواہش پیدا ہوئی تھی مگر اسی دوران میڈم کا یہ بیان شائع ہو گیا۔

ہمارے اکثر فنکاروں کو یہ شکایت رہتی ہے کہ اپنے لوگ انہیں پہچانتے تک نہیں' ویسے لوگ ان کی جتنی عزت کرتے ہیں' اس سے تو ہمیں بھی لگتا ہے کہ واقعی لوگ انہیں نہیں پہچانتے۔ بھارتیوں میں البتہ یہ بات ہے کہ انہیں جس کی کچھ سمجھ آ جائے' اسے کچھ نہیں سمجھتے اور جس کی سمجھ نہ آئے' اس کی پوجا کرنے لگتے ہیں۔ ہمارے ہاں سے اکثر فنکار اپنی پوجا کرانے وہاں جاتے ہیں۔ اس کے لئے "انیتا عیوب" نے بھی وہاں اپنے فن کا مظاہرہ کیا کہ اس پر ہمارے ہاں کئی مظاہرے ہوئے۔ اگرچہ ہماری مہدی حسن صاحب کے بارے میں تو لتا نے کہا تھا کہ مہدی حسن کے گلے میں بھگوان بولتا ہے۔ گاتے وقت جیسا وہ منہ بناتے ہیں' اس سے تو یہی لگتا ہے کہ ان کے گلے میں کوئی ہے۔ رقاصہ ناہید صدیقی نے بھی ایک بار کہا تھا' ہم پاکستانیوں سے صرف

عزت ہی تو مانگتے ہیں۔ ظاہر ہے بندہ وہی کچھ مانگتا ہے جو اس کے پاس نہیں ہوتا لیکن پاکستانی وہی کچھ دے سکتے ہیں جو ان کے پاس ہے۔ سرکاری سطح پر البتہ ہمیشہ سے فن نظر انداز اور فنکار پر غلط انداز ہی لیکن موجودہ حکومت نیوٹرل ہے۔ وہ تو اپنے معاملات میں مداخلت نہیں کرتی' کسی اور کے معاملات میں کیا کرے گی۔ کبھی کبھی سرکاری سطح پر فنکار کی حوصلہ افزائی بھی ہوتی ہے۔ جیسے بنگلہ دیش کے مشہور شاعر قاضی نذر الاسلام کو ایک مرتبہ ملی کہ ڈھاکہ میونسپل کارپوریشن ان کی ادبی خدمات کے عوض ان کا ایک مجسمہ ایک پارک میں نصب کرانا چاہتی ہے جس پر ایک لاکھ روپے خرچ ہوں گے۔ یہ سن کر قاضی نذر الاسلام نے کہا کہ اگر کارپوریشن یہ رقم مجھے دے دے تو میں خود مجسمہ کی جگہ پارک میں کھڑا رہوں گا۔

صاحب! موسیقی روح کی غذا ہے بلکہ آج کل تو روح موسیقی کی غذا ہے۔ پرانے زمانے میں ریکارڈوں پر کتا بیٹھا دکھائی دیتا تھا' اب اس کی جگہ گلوکار کی تصویر ہوتی ہے بلکہ پچھلے دنوں عطاء اللہ عیسیٰ خیلوی کے شو میں ایک نوجوان اپنا کتا ساتھ لے آیا تو منتظمین نے اسے ہال میں نہ گھسنے دیا۔ اس نوجوان نے بتیرا کہا کہ کتا اتنا چھوٹا ہے کہ گانا اس کو کیا نقصان پہنچا سکتا ہے مگر منتظمین نہ مانے۔ موسیقی میں بڑی طاقت ہے۔ استاد روشنی خان نے تو کہا تھا کہ خلیج کی جنگ راگوں کو بے وقت گانے کا نتیجہ ہے اور خان اعتراض علی خان نے خلیج کی جنگ بند ہوتے ہی اعلان کیا کہ جنگ کی آگ میں نے راگ چھیڑ کر بجھائی' ایسا گویا بھارت میں ہوتا تو وہ اسے ہنومان سمجھ کر اس کی بھی پوجا کرنے لگتے۔

فارن افیئرز پر لکھتے ہوئے ہم کسی فنکار پر نہیں لکھتے کیونکہ وہ کہتے ہیں ہمارے فارن کے افیئرز پر نہ لکھا کریں۔ بہرحال یہ افیئر اتنا فارن نہیں۔ میڈم گلوکاری کا میڈیم ہیں۔ وہ خود بھی نورجہاں سے بڑی گلوکارہ بننا چاہیں تو نہیں بن سکتیں۔ اتنی بڑی فنکارہ اگر اور بڑا ہونے کی کوشش کرتی ہے تو چھوٹی ہونے لگتی ہے۔ ہمارے ہاں میوزک شو ہوتے ہیں اور شو میں میوزک سنانا نہیں' شو کرنا ہوتا ہے۔ آج سے پندرہ بیس سال

قبل ہم نے میڈم نورجہاں کے شو کے لئے بہروں کو ٹکٹیں خریدتے دیکھا۔ غزل کی گائیکی میں اتنا نام کمایا کہ لوگ فیض صاحب سے کہتے کہ وہ نورجہاں کی غزل سنائیں۔ ہم نے مانا کہ ہندو مذہب کا فن سے اتنا تعلق ہے کہ آپ اسے فنی مذہب کہہ سکتے ہیں۔ وہ تو گاؤ ماتا کہیں تو ہمیں لگتا ہے کہہ رہے ہیں گاؤ! ماتا۔ ہم اس کی پوجا کرتے ہیں جس نے ہمیں بنایا ہے اور ہندو اس کی پوجا کرتے ہیں جسے انھوں نے بنایا ہوتا ہے۔ بھارتی وزیراعظم نرسیما راؤ تک اتنے حسابی کتابی ہیں کہ بچپن میں ان سے کوئی پوچھتا' آپ کے باپ کی عمر کیا ہے؟ تو کہتے "جتنی میری عمر ہے۔" پوچھا "آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟" کہا "اس طرح کہ وہ اسی دن باپ بنا تھا جس دن میں پیدا ہوا تھا۔" یہ بھی مانا کہ بھارت پاکستان پر بڑا انحصار کرتا ہے۔ پچھلے دنوں وزیراعظم نرسیما راؤ کو جدید بھارتی طیارہ دکھایا گیا۔ بھارتی ایئر فورس کا سینئر آفیسر جس نے 1965ء کی جنگ لڑی تھی' وہ وزیراعظم کو نئے طیارے کے اندر لے گیا اور کہا "سر یہ پیلا بٹن دبائیں گے تو انجن سٹارٹ ہو جائے گا سرخ بٹن دباؤ تو طیارہ اوپر جائے گا۔" نرسیما راؤ نے پوچھا مگر اس کو نیچے کیسے اتاریں گے؟ تو بھارتی ایئر فورس کے افسر نے کہا "اس کے بارے میں پریشان نہ ہوں یہ پاکستانی ایئر فورس کا کام ہے۔" سو اتنے "اچھے" تعلقات میں اگر بھارت سے کچھ کرانا ہی ہے تو پھر پوجا ہی کیوں؟ کیونکہ پوجا تو وہاں گائے کی بھی ہوتی ہے۔

○○○

- غنیز بک بک آف ورلڈ ریکارڈ

صاحب! اتنا تو ہمیں علم تھا کہ ہماری اسمبلی دنیا کی وہ اسمبلی ہے جس میں سب سے زیادہ پوائنٹ آف ڈس آرڈر اور واک واٹ ہوئے۔ ہمیں امید تھی کہ اسے گنیز بک آف

ورلڈ ریکارڈ میں شامل کیا جائے لیکن ہمارے ایک دوست غنی صاحب جو ہر ممکن کو ناممکن بنانے کی صلاحیت رکھتے ہیں' انہوں نے اور ہی بات بتائی ہے۔ موصوف احتیاط سے کام اور کام سے احتیاط کرتے ہیں۔ ایک حکومت میں انہیں سیکرٹ کام پر رکھا گیا جسے انہوں نے اتنا سیکرٹ رکھا کہ کوئی کام ہی نہ کیا تا کہ کسی کو اس سیکرٹ کام پر رکھا گیا جسے انہوں نے اتنا سیکرٹ رکھا کہ کوئی کام ہی نہ کیا تا کہ کسی کو اس سیکرٹ کا پتہ نہ چل جائے کہ اسے کس کام پر رکھا گیا ہے۔ پچھلے دنوں وہ وسط ایشیا کے ایک ملک میں ایسی انٹیک چیزیں خریدنے گئے جو نئی ہوں۔ وہاں ایک تقریب میں انہیں رائٹر کے طور پر بلایا گیا حالانکہ اگر وہ کسی بک کے رائٹر ہیں تو وہ بک چیک بک ہی ہو گی۔ میزبان نے ان کا تعارف یوں کروایا کہ ہمارے درمیان مشہور رائٹر غنی صاحب موجود ہیں' میں نے ان کی کتاب غنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ پڑھی ہے تو غنی صاحب نے فوراً اس کی بات پر نہ صرف یقین کر لیا بلکہ کہا کہ میری لکھی وہ کتاب مجھے بھی پڑھائیں۔ آج کل تو وہ کہتے ہیں کہ گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں جو بھی اضافہ ہوتا ہے' وہ مجھ سے پوچھ کر ہی ہوتا ہے۔ اگرچہ ان کا سیاست سے اتنا ہی تعلق ہے کہ ایک سیاستدان کی درازی عمر کی دعا کرنے گئے اور اس سیاستدان کو ملنے کے بعد ملک کے لئے دعا کرکے چلے آئے۔ پھر بھی وہ جانتے ہیں ہاکی' کرکٹ' سکوائش اور سنوکر کے علاوہ ہم نے جس کھیل میں سب سے زیادہ ریکارڈ توڑے ہیں' وہ سیاست ہی ہے۔ اس میں اتنی سپورٹ مین سپرٹ نہیں چلتی' جتنی سپرٹ چلتی ہے۔ آپ عجیب و

غریب باتیں کر رہے ہوں اور لوگ اس پر ہنس نہ رہے ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ کو سیاستدان سمجھ رہے ہیں۔ ہمارے سیاستدان اور ریڈیو میں یہ فرق ہے کہ ریڈیو کو بند کرنے کا بٹن ہوتا ہے۔ ایسے ایک سیاستدان جمعہ کے خطبے کے بعد تقریر فرما رہے تھے کہ کسی نے پوچھا "ان کی تقریر کے بعد کیا ہو گا؟" بھیدی بولا "ہفتہ ہو گا" ------ برنارڈشا نے ایک بندے سے کہا' آپ کچھ نہیں جانتے اور آپ سوچتے ہیں کہ آپ سب جانتے ہیں۔ اس سے تو لگتا ہے آپ سیاست میں آ رہے ہیں۔ یہی نہیں غنی صاحب خود کہہ رہے تھے' میرا یہ بچہ بڑا ہو کر سیاستدان بنے گا۔ ہم نے پوچھا "آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں؟" بولے "گھر میں وہ جب بھی کوئی چیز توڑتا ہے' نام اپنے کسی بھائی کا لگا دیتا ہے۔"

سیاست ایک پارفارمنگ آرٹ ہے اس لئے فلم انڈسٹری کی طرح پالیٹکس انڈسٹری بن گئی ہے۔ بس یہ فرق ہے کہ پالیٹکس میں آج کا ہیرو کل کا اشتہاری ملزم یا پانچ روپے کا رسیدی ٹکٹ ہوتا ہے۔ سیاست صنعت ہوئی تو عوام مزدور ہو گئے۔ یاد رہے مزدور دراصل "مزہ دور" ہے جو بزنس مین کہے مجھے سیاست سے دلچسپی نہیں' اس ڈوبنے والے کی طرح ہے جو کہے مجھے پانی سے دلچسپی نہیں۔ سیاستدان الیکشن جیت کر وعدے پورے نہیں کرتے کہ اگر سارے وعدے پورے کر دیئے تو اگلی بار جیت کر کیا کریں گے۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہمارے لیڈر فرشتے ہوں۔ ایک سیاستدان نے تو کہہ دیا تھا "اگر میں فرشتہ ہوتا تو آپ کا ووٹ مجھے نہ پڑتا۔" ہم نے پوچھا "آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں؟" کہا "اس لئے کہ اگر میں فرشتہ ہوتا تو آپ میرے حلقے میں ہی نہ ہوتے۔"

سیاستدانوں کا الیکشن لڑ لڑ کر یہ حال ہو گیا ہے کہ الیکشن نہ بھی ہو' تب بھی لڑ رہے ہوتے ہیں۔ اسمبلی میں یہ سب دیکھ کر لگتا ہے شوٹنگ ہو رہی ہے۔ جو فراٹے نہیں بھر رہا ہوتا' خراٹے بھر رہا ہوتا ہے۔ ایک رکن اسمبلی نے ایک بار کہا تھا کہ میں آج اسمبلی کے اجلاس میں نہیں جا رہا' آج گھر پر ہی سوؤں گا۔ بس' ٹرین اور اسمبلی میں سونے والا وقت اس وقت کی نسبت زیادہ بیدار ہوتا ہے جب وہ جاگ رہا ہوتا ہے۔

ایک اونگھتے ہوئے رکن اسمبلی کو باہر سے آنے والے رکن نے جگا کر پوچھا "کوئی قانون پاس ہوا؟" تو وہ بولا "پتہ نہیں' کیوں میں تو صرف دو بار رکن اسمبلی منتخب ہوا ہوں۔"

ہم نے ایک دانشور رکن سے کہا "آپ کس لئے اسمبلی کے اجلاس اٹینڈ نہیں کرتے' ماشاء اللہ آپ بڑے ذہین اور عقلمند ہیں۔ کہا "اسی لئے اٹینڈ نہیں کرتا۔"

میدان سیاست کو غنی صاحب حسرت اور ناامیدی سے دیکھتے ہیں۔ حسرت اور ناامیدی میں یہ فرق ہے کہ حسرت میں وہ بندہ دوسری بار یہ سوچتا ہے کہ پہلی بار یہ نہیں کر سکتا جب کہ ناامیدی میں پہلی بار یہ سوچتا ہے کہ دوسری بار ایسا نہیں کر سکتا۔ جیسی گفتگو اسمبلی کے اندر ہوتی ہے' ایسی گفتگو عام بندہ باہر کرے تو اندر ہو جائے لیکن یہ حال دنیا کی ہر اسمبلی کا ہے۔ کہتے ہیں ایک بار مسز اندرا گاندھی کو مرارجی ڈیسائی نے کہا "آپ کا دل نہیں چاہتا کہ آپ مرد ہوتیں؟" تو اندرا گاندھی نے کہا "آپ کا دل نہیں چاہتا کہ آپ بھی ہوتے۔" لیکن گالی گلوچ' مار دھاڑ اور واک آؤٹ میں ہماری اسمبلی نے مختصر مدت میں تفصیلی ریکارڈ بنایا ہے مگر غنی صاحب نے فرمایا ہے کہ اسے گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ ہم نے پوچھا "کیا ہم کسی سے پیچھے ہیں؟" کہا "نہیں اس لئے کہ ہم اس قدر آگے ہیں کہ جتنی دیر میں گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ چھپتی ہے' اتنی دیر میں ہماری اسمبلی یہ ریکارڈ مائیک اور کرسیوں سمیت کئی بار توڑ چکی ہوتی ہے۔"

○○○

- **دیواریہ**

دیواروں پر کالم لکھتے ہوئے ہمیں ڈر بھی لگ رہا ہے کیونکہ حکومت نے دیواروں پر لکھنے پر پابندی جو لگا رکھی ہے۔ ہم سمجھتے تھے وال چاکنگ پر پابندی اس لئے لگائی گئی ہے

کہ سیاستدانوں کو نوشتہ دیوار نہ پڑھنا پڑے' پر اب حکومت کے بیان سے یہ پتہ چلا ہے کہ یہ سب پیسے کی سیاست ختم کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔ واقعی اس کے ساتھ ہی ملک سے پیسے کی سیاست ختم ہو گئی' روپے کی شروع ہو گئی۔ دولت سیاستدانوں کی زبان ہوتی ہے البتہ جب وہ دولت کی صحیح ہاتھ میں جاتی ہے تو بولنا بند کر دیتی ہے۔ لیکن سیاستدان تو بہرہ' اندھا' لنگڑا لولا ہو سکتا ہے مگر گونگا نہیں۔ ہیری ٹرومین ایک دفعہ طالب علموں سے سیاست کے موضوع پر بات کر رہے تھے' ایک طالب علم سے پوچھا "میں سیاست میں کیسے آ سکتا ہوں؟ تو امریکی صدر ہیری ٹرومین بولے "آپ تو پہلے ہی سیاست میں ہیں' آپ جو کچھ خرچ کرتے ہیں یہ خود آپ کمایا تو نہیں ہوتا یا کہو' ہوتا ہے؟"

ویسے پتہ نہیں پیسے کی سیاست ختم کرنے پر کتنے پیسے لگے لیکن یہ انہوں نے بڑا بر وقت کیا جیسے ہمارے ایک دوست جو کل کا کام بھی آج کرتے ہیں' بیٹے کو پیٹ رہے تھے۔ بیوی نے کہا "اس نے کیا کیا ہے؟" بولے "میں ایک ہفتے کے لئے باہر جا رہا ہوں اور کل اس کے امتحان کا نتیجہ نکلنا ہے اور میں انتظار نہیں کر سکتا۔"

جیسے عورتیں تین قسم کی ہوتی ہیں۔ نمبر1 ذہین عورتیں' نمبر2 حسین عورتیں' نمبر3 اکثر عورتیں۔ ایسے ہی رہنما تین قسم کے ہوتے ہیں۔ بیوپاری رہنما' ہر باری رہنما اور دیواری رہنما۔ دیواری رہنماؤں کے اقوال زریں دیواروں پر چپے ہوتے ہیں۔ ایسے اقوال کہ پڑھ کر ان رہنماؤں کو وہیں چننے کو دل چاہتا ہے۔ اپوزیشن اشتہار اور حکومت اپوزیشن کو دیوار سے لگاتی ہی رہتی ہے۔ دیواروں پر پیچیدہ اور پوشیدہ رہنماؤں اور بیماریوں کے بارے

میں تفصیلات اکثر یوں لکھی ہوتی ہیں کہ کچھ پتہ نہیں چلتا' کونسی تفصیل کس کی ہے۔
کہتے ہیں تاریخ کا مطالعہ بندے کو خودکشی سے روکتا ہے جبکہ دیوار کا مطالعہ بندے کو مطالعے سے روکتا ہے۔ پہلے حکمران تاریخ جاننے کے ٹیوٹر رکھتے' اب کیلنڈر رکھتے ہیں اور آئینہ دیکھنے کے لئے دیواریں دیکھتے ہیں۔ کہتے ہیں ہمارے ایک سابق حکمران تصویری نمائش کے افتتاح پر گئے اور وہاں ایک تصویر دیکھ کر کہنے لگے' اس کی ایک آنکھ چھوٹی کس نے بنائی؟ تو مصور نے کہا "یہ تو دیوار پر آئینہ لگا ہے۔" ایک ایسے باا‌ثر آدمی نے اپنی بے اثر کتاب دیتے ہوئے کہا "اسے پڑھ کر آپ کو پتہ چلے گا کہ میرا تعلق کتنے بڑے خاندان سے ہے۔ بہرحال کتابوں سے پہلے حکمران یہ سب دیواروں پر کندہ کروایا کرتے تھے۔ آج سیاستدان ان دیواروں کو اشتہار بنائے ہوئے ہیں۔ انہیں کہاں کہیں کوئی دیوار صاف نظر آتی ہے' اپنی مقبولیت میں کمی صاف نظر آتی ہے۔
سو حکومت نے شروع میں ہر سرکاری دیوار پر یہ لکھوا دیا کہ اس دیوار پر لکھنا منع ہے۔ حکومتوں کے آرڈر ایسے ہی ہوتے ہیں جیسا کہ جرمنی میں گندے پانی کے استعمال سے ٹائیفائیڈ کی وبا پھیلی تو وہاں ایک اعلیٰ فوجی حکام نے یہ آرڈر جاری کیا "تمام برف کی ڈلیاں استعمال کرنے سے پہلے اچھی طرح ابالی جائیں۔"
دیوار پر قدیم ترین اشتہار جو تقریباً تین ہزار سال پہلے تحریر کیا گیا وہ تھا "پوری ایک اشرفی اس شخص کے لئے جو شیم نامی بھگوڑے کو پکڑ کر لائے گا۔" دیواروں کے بڑے استعمال ہیں' خاص طور پر بڑی دیواروں کے۔ جنگ عظیم دوم کے دنوں میں صدر انجمن احمقاں ملک نبی بخش نے اخبارات کو جنگ بندی کی یہ تجویز پیش کی تھی کہ دیوار چین ایک ہزار پانچ سو میل لمبی بیکار پڑی ہے' اگر اس کے ٹکڑے کاٹ کاٹ کر فلاں فلاں ملکوں کے درمیان حائل کر دیئے جائیں تو دنیا میں جنگ کا نام نہ رہے۔ کوئٹہ کے زلزلے کے بعد انجمن احمقاں نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ نئے مکان کی تعمیر کرتے وقت ان کی بنیادیں زمین سے ایک فٹ اونچی رکھی جائیں۔ پہلے دیواروں کے کان ہوتے تھے'

اب تو یہ بولتی بھی ہیں۔ ہوسٹل کی دیواریں جب آپ سننا چاہیں تو بہت موٹی ہوتی ہیں اور جب آپ سونا چاہیں تو بہت پتلی ہوتی ہیں البتہ ایوان اقتدار کی دیواریں اتنی پتلی ہوتی ہیں کہ ایک طرف کوئی ذہن بھی تبدیل کر رہا ہو تو دوسری طرف وہ بھی سنائی دیتا ہے۔ خالی بندہ اپنے آپ سے بھرا ہوتا ہے اور جہاں تک بھری دیوار کا تعلق ہے' اتنی وہ بھری نہیں ہوتی جتنا وہ بندہ بھرا ہوتا ہے جس کے گھر کی یہ دیوار ہوتی ہے۔

پینٹ کرنے سے دیوار کی عمر بڑھ جاتی ہے' شاید اسی لئے عورتیں لمبی عمر پاتی ہیں۔ اب جمہوریت کا دور ہے۔ کمیونزم اور جمہوریت میں یہ فرق ہے کہ کمیونزم میں بولتا کوئی نہیں اور جمہوریت میں سنتا کوئی نہیں۔ خود ہمارے لیڈر جس رفتار سے بولتے ہیں' اس سے سن نہیں سکتے۔ ایک سیاستدان کی تقریر میں ہم دیر سے پہنچے۔ ایک بندے سے پوچھا "یہ کب سے بول رہے ہیں؟" کہنے لگا "تب سے جب ابھی یہ ایک سال کے بھی نہیں تھے۔" یہ بھی سیاستدانوں کا ہی کمال ہے کہ وہ بول بھی رہے ہوتے ہیں اور کچھ کہہ بھی نہیں رہے ہوتے۔ جو میاں بیوی آپس میں لڑتے نہیں' ہمیں لگتا ہے وہ ایک دوسرے کو میاں بیوی سمجھتے ہی نہیں۔ ایسے ہی حکومت سے گلہ نہیں' گویا وہ حکومت کو مانتا ہی نہیں۔

امریکی کہتے ہیں انہیں جمہوریت نے یہ دیا کہ وہ ٹیکس ادا کرنے میں اپنی مرضی کے مالک ہیں یعنی چاہے تو کیش دیں یا پھر چیک یا پوسٹل آرڈر۔ ہمیں تو جمہوریت نے یہ دیا ہے کہ دیواروں کے ساتھ جو کر سکتے ہیں کریں' لیکن حکومت نے سب کئے کرائے پر پانی پھیرنا شروع کر دیا ہے وہ بھی چونے والا۔

○○○

• CROOK BOOK

ہمارے بشیرا ٹیلر کا خیال تھا' آخر عمر میں الزبتھ ٹیلر بھی ٹیلرنگ ہی کرے گی مگر اس نے کتاب لکھنا شروع کر دی۔ موصوفہ خاوندوں سے بچنے کی ترکیبیں بتانے والی ایک کتاب مکمل کر رہی ہیں۔ یوں کک بک کے بعد ایک اور ترکیبیں بتانے والے کتاب گھروں میں آنے والی ہے۔ ویسے بھی خاوندوں کے معاملے میں الزبتھ کی رائے بہت اہم ہے کیونکہ جتنے ہسبنڈ انہوں نے ہنڈائے ہیں' اتنے تو ہماری عورتیں کپڑے نہیں ہنڈاتیں لیکن محترمہ کی یادداشت کا یہ عالم ہے کہ پچھلے دنوں انہوں نے اپنی طلاقوں کی جو تعداد بتائی' وہ ان کی شادیوں کی تعداد سے بھی زیادہ تھی۔ ان کا پہلا خاوند انہیں اپنی پون بہتر کہتا ہے۔ ہم نے انہیں اپنی آنکھوں سے چار مرتبہ جوان ہوتے دیکھا ہے مگر سٹھیانے کے بعد بھی انہیں بوڑھی ہونا نہیں آیا۔ ان سے اب بھی پوچھو' سب سے بہتر Age کون سی ہے تو کہیں گے Marri-Age ------ ڈیٹ آف برتھ پوچھو تو کہتی ہیں "مجھے یاد نہیں کیونکہ جب میں پیدا ہوئی تھی تب میں بہت چھوٹی تھی۔" ان کی ایک دوست نے بتایا کہ میری الزبتھ سے جب پہلی ملاقات ہوئی تب میری اور اس کی عمر ایک جتنی تھی۔ الزبتھ شادی کر رہی ہو تو یہی لگتا ہے کہ شادی کے سین کی ریہرسل کر رہی ہیں۔ ریہرسل کے بغیر تو اس نے کبھی فلمی شادی کا سین اوکے نہیں کیا۔

اس کی ہر شادی پر دوست جو کارڈ بھیجتے ہیں ان پر لکھا ہوتا ہے' آپ کو یہ خوشی کا دن مبارک ہو۔ اللہ آپ کی زندگی میں خوشی کے ایسے دن روز روز لائے۔ کہتی ہے' میں نے ہمیشہ لو میرج کی۔ حالانکہ اگر وہ اس سے شادی کرتی جس سے اسے لو ہے تو اس حساب سے وہ خود ہی اپنا خاوند ہوتی۔ اپنے ایک خاوند کے بارے میں وہ یہ دعا مانگتی سنی گئی کہ اس کی شوگر اتنی ہائی ہو جائے کہ اس کی باتوں میں آنے لگے۔

بہرحال میاں بیوی دونوں اداکار ہوں تو طلاق کے بعد انہیں ایک چیز ففٹی ففٹی ملتی ہے

اور وہ ہے پبلسٹی۔ ویسے بھی آج کل اپنی غلطیاں چھپانے کا جو سب سے بہتر طریقہ ہے‘ وہ ہے آپ بیتی لکھنا۔ یوں اگر وہ لکھنا چاہ رہی ہے تو اسے ادیب بننے سے روکنے کا

واحد طریقہ یہی ہے کہ اس کی کتاب چھاپ دی جائے۔ شادی وہ حادثہ ہے جس پر جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں اتنی تو جنگ عظیم دوم پر نہیں لکھی گئیں۔ ایک دانشور کے بقول شادی پہلے یہ ہوتی تھی کہ باپ بیٹی کا ہاتھ داماد کے ہاتھ میں دیتا تھا‘ اب باپ بیٹی کا ہاتھ اپنی جیب سے نکال کر داماد کی جیب میں ڈالتا ہے۔ شادی کب کرنا چاہیے؟ یہ تو کوئی کنوارہ ہی بتا سکتا ہے جب کہ شادی کب نہیں کرنا چاہیے‘ یہ شادی شدہ بتا سکتا ہے۔

اچھی بیوی وہ ہوتی ہے جو خاوند کے ساتھ وہ سلوک نہ کرے جس کا وہ مستحق ہوتا ہے جبکہ اچھا خاوند وہ ہوتا ہے جو ہونے والا ہو۔ بڑی عورت کے خاوند بڑے ہوتے ہیں۔ آسٹریلیا کے پرائم منسٹر باب ہاک جو ہمارے سابق پرائم منسٹر شیخ رشید کے Tongue Twins ہیں‘ انہوں نے اپنی کتاب میں مارگریٹ تھیچر کے بارے میں لکھا کہ میں نے ایسی لیڈر نہیں دیکھی جو گفتگو میں لوگوں کو اتنا ٹوکتی ہے کہ بندہ خود کو پرائم منسٹر نہیں‘ خاوند سمجھنے لگتا ہے۔ بہرحال عورتوں کی ملکوں پر حکمرانی کرتے دیکھ کر اگر کسی کو حیرانی ہوتی ہے تو وہ کنوارہ ہی ہو سکتا ہے۔

مرد جتنا خیال اپنے بالوں کا رکھتا ہے‘ اتنا اپنی بیوی کا رکھے تو کبھی طلاق نہ ہو۔ لیکن اب تو شادی کی انگوٹھیاں پہلے سے زیادہ ہلکی اور پتلی پسند کی جاتی ہیں۔ پرانے زمانے میں بڑی موٹی اور بھاری بھاری ہوتی تھیں‘ ساری زندگی جو چلنا ہوتیں۔ ایک وکیل کے بقول عورتیں طلاق لینے کے لئے جتنے جتن کرتی ہیں‘ اتنے جتن پہلے کر لیں تو طلاق لینے کی ضرورت ہی نہ پڑے لیکن خود اس کی بیوی کہتی ہے‘ میں نے اس سے صرف اس لئے شادی کی تھی کہ مجھے اجنبیوں اور ہمسائیوں سے لڑنا اچھا نہیں لگتا تھا۔ ہم نے وکیل صاحب سے پوچھا‘ آپ کی بیوی سارا دن آپ سے کس بات پر لڑتی جھگڑتی رہتی ہے؟

کہا "مجھے نہیں پتا' وہ بتاتی ہی نہیں۔"
صاحب! بیوی کو شادی حق شفعہ اور حق شبہ کے علاوہ دیتی ہی کیا ہے؟ شادی وہ کام ہے جسے آسان سمجھنا بڑا مشکل ہے البتہ مشکل سمجھنا آسان ہے۔ نیا خاوند اور نئی گاڑی پہلے سال بغیر کسی خرابی کے چلتی ہے اور دوسرے سال خرابی کے بغیر چل ہی نہیں سکتی۔ جس خاتون میں کوئی کمی ہو' اس کے ساتھ ہمارے ہاں بڑی زیادتی ہوتی ہے اور جس مرد میں کوئی کمی ہو' اس کے ساتھ اس کے اپنے ہاں بڑی زیادتی ہوتی ہے۔
مغرب کی ایک سروے رپورٹ کے مطابق وہاں کی آدھی شادیوں کا انجام طلاق پر ہوتا ہے' باقی آدھیوں کا انجام کیا ہوتا ہے یہ نہیں بتایا گیا۔ ایک ڈاکٹر کسی میڈیکو لیگل کیس کے سلسلے میں عدالت میں پیش ہوا۔ عدالت نے کہا' آپ یہ نہ کہیں کہ آپ کبھی غلطی نہیں کر سکتے۔ ڈاکٹر نے کہا "میں یہ کب کہہ رہا ہوں' میں نے کبھی غلطی نہیں کی۔" عدالت نے پوچھا "اچھا آپ بتائیں کہ آپ نے کب کب غلطی کی؟" وہ لمحے کے لئے رکا اور بولا "جناب میں نے تین شادیاں کی ہیں۔" یہ حال مردوں کا ہی نہیں' ایک اداکار کہنے لگی۔ "میں خاوند کی وجہ سے پہاڑ پر گرمیاں گزارنے نہ جا سکی۔"
پوچھا "کیوں؟"
بولی "میں چھٹیاں گزارنے پہاڑ پر جانا چاہتی تھی مگر میرا خاوند ------"
"کیا وہ وہاں نہیں جانا چاہتا؟"
کہا "نہیں! مسئلہ یہ تھا کہ وہ بھی وہاں ہی جانا چاہتا تھا۔"
یہی وہ اداکار ہے جس نے کہا تھا میں نے خاوند کو طلاق دے دی ہے اس لئے مجھے گھر کے کام کاج کے لئے ایک نوکر چاہیے۔
ایک صحافی سے ہم نے خوشگوار ازدواجی زندگی کا راز پوچھا تو اس نے کہا "میں اور میری بیوی روز شام کو سیر کرنے جاتے ہیں۔" ہم نے کہا "بہت خوب! مگر کہاں؟" بولا "میں تو باغ جناح جاتا ہوں' اس کا پتا نہیں۔"

ایک اداکار سے ہم نے خوشگوار ازدواجی زندگی کا راز پوچھا تو بولا "ہماری خوشگوار ازدواجی زندگی کا راز یہ ہے کہ میری گھریلو بیوی کو اس راز کا پتہ نہیں۔" ہمارے جاننے والے ایک ڈاکٹر نے اپنی ازدواجی زندگی کا راز یہ بتایا کہ چار بچوں کے بعد میری وائف مجھے مڈ وائف لگنے لگی ہے۔ مغرب اور ہمارے ہاں اتنا فرق ہے کہ یہاں جب دن ہوتا ہے' وہاں رات۔ ہمارے ایک دوست نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی کہ وہ چھ ماہ میں اس سے ایک لفظ نہیں بولی۔ یہ سن کر اس کا ایک امریکی دوست بولا "وہ چھ ماہ تمہیں ایک لفظ نہ بولی' اتنی اچھی بیوی کو تم نے طلاق کیوں دے دی؟" پہلے کہتے تھے خوبصورت وہ ہے جو صبح منہ دھونے سے پہلے بھی خوبصورت لگے۔ اب تو خوبصورت وہ ہے جو منہ دھونے کے بعد بھی خوبصورت لگے۔ اگر عورت نہ ہوتی تو مردوں کے پاس کچھ نہ ہوتا' سوائے ایک اضافی پسلی کے۔

خاوند کے لئے بیوی کو سمجھنا کوئی مشکل نہیں بشرطیکہ وہ دوسرے کی ہو۔ اچھی بیوی بننے کے لئے اچھی اداکارہ ہونا بہت ضروری ہے۔ بیوی خاوند کے لطیفوں پر اس لئے نہیں ہنستی کہ وہ اچھے ہوتے ہیں' اس لئے ہنستی ہے کہ وہ اچھی ہوتی ہے۔ لیکن الزبتھ کی رائے اکثر ریٹا رائے ثابت ہوئی۔ اس نے اپنی ایک سہیلی کو کہا کہ تمہارا دولہا جارج واشنگٹن کی طرح ہو گا۔ واقعی لوگوں نے اس کا دولہا دیکھا' وہ وگ پہنتا تھا۔ پتہ نہیں الزبتھ کی یہ بک کسی کی کیا رہنمائی کرتی ہے اگر وہ کچھ رہنمائی کر سکتی ہوتی تو مصنفہ کی نہ کرتی۔ ہم سمجھتے ہیں نئے جیون ساتھی کی تلاش سے لے کر خوشگوار ازدواجی زندگی تک جس بک کی رہنمائی کی قدم قدم پر ضرورت پڑتی ہے وہ بک پہلے سے موجود ہے۔ یہی وہ بک ہے جس کی وجہ سے بیشتر شادیاں کامیابی سے چل رہی ہیں اور وہ ہے چیک بک۔